ماہ ذی الحجہ اور اس کے احکام

عشرۂ ذی الحجہ، عید الاضحیٰ، قربانی، تکبیر تشریق، حج اور
زیارت مدینہ منورہ کے احکام، فضائل اور مسائل

مفتی محمد قاسم اوجھاری

ناشـــر:
اسلامی مرکز تحقیق واشاعت، اوجھاری، ضلع امروہہ، یوپی، انڈیا

تفصیلات

نام کتاب : ماہ ذی الحجہ اور اس کے احکام
مرتب : محمد قاسم اوجھاری
صفحات : ۱۷۹
سن اشاعت : جولائی ۲۰۱۹ء ذی قعدہ ۱۴۴۰ھ
ناشر : اسلامی مرکز تحقیق واشاعت، اوجھاری، ضلع امروہہ، یوپی، انڈیا

Published By:
islamic Research & Publication's Center
Ujhari, District Amroha, UP, India (244242)

Email: Qasimujhari1@gmail.com Qasimujhari@yahoo.com
Mobile: 9719452901

فہرست مضامین

عید کا بیان

تکبیر تشریق کا بیان

قربانی کا بیان

حج کا بیان

زیارت مدینہ منورہ کا بیان

حرمین شریفین کے بعض مقدس مقامات پر مانگی جانے والی چند دعائیں

مقدمہ

الحمد لأهله و الصلاة على أهلها، أمّا بعد:

اسلام خدا کا آخری دین ہے، خدا کا آخری قانون دین اسلام کی شکل میں بندوں کو دے دیا گیا ہے، اب تا قیامت اسی میں انسانوں کی کامیابی وکامرانی کا راز مضمر ہے۔ اسلام نے اپنے ماننے والوں کومختلف قسم کے احکامات دیے ہیں، جن پرعمل کر کے انسان دنیا وآخرت کی کامیابی کے منازل طے کرسکتا ہے، دین اسلام کے کچھ احکام عقیدے سے متعلق ہیں، مثلا توحید ورسالت کا اقرار، انبیا، فرشتے، آسمانی کتابیں، اچھی بری تقدیر اور آخرت وغیرہ پر ایمان؛ اور کچھ عملی زندگی سے متعلق احکام ہیں۔ جہاں تک اصولی عقائد کا تعلق ہے وہ تو ہر نبی کی امت میں یکساں رہے ہیں اور ان میں کبھی ترمیم وتبدیلی نہیں ہوئی ہے، لیکن عملی احکام مختلف انبیاء کی شریعتوں میں اپنے اپنے زمانے کے اعتبار سے بدلتے رہے ہیں۔ آیت قرآنیہ: ثُمَّ جَعَلْنٰکَ عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ (سورة الجاثیة) (پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقے پر کر دیا) میں انہی عملی احکام کو دین کے ایک خاص طریقے سے تعبیر فرمایا گیا ہے؛ اس آیت کریمہ سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ امت محمدیہ کے لئے صرف شریعت محمدیؐ ہی کے احکام واجب العمل ہیں، پچھلی امتوں کو جو احکام دیے گئے تھے وہ ہمارے لیے اس وقت تک واجب العمل نہیں ہیں جب تک قرآن وحدیث سے ان کی تائید نہ ہو جائے۔

پھر فرمان نبوی کے مطابق دین اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم ہے، توحید

ورسالت کا اقرار، نماز، زکات، روزہ اور حج کی ادائیگی؛ ان میں سے پہلا عقیدے سے تعلق رکھتا ہے، بقیہ چار کا تعلق عملی زندگی سے ہے۔ یہ دین اسلام کے پانچ اساسی احکام ہیں، جن کے بغیر ایک مسلمان کے لیے چارۂ کار ہی نہیں ہے، جس طرح بنیاد کے بغیر عمارت قائم نہیں ہوسکتی اسی طرح ایک مسلمان ان پانچ احکام کو نظر انداز کر کے حقیقی مسلمان بن ہی نہیں سکتا۔

شریعت اسلامیہ میں بعض احکام فرض و واجب ہیں۔فرض اور واجب احکام میں عملاً تو کوئی فرق نہیں ہے، دونوں پر یکساں طور سے عمل کرنا ضروری ہے، البتہ ثبوت اور اعتقاد کے اعتبار سے فرق ہے۔فقہاء واصولیین کے نزدیک فرض ایسے احکام کہلاتے ہیں، جن کا ثبوت قطعی ہو اور دلالت بھی قطعی ہو، ان احکام کا منکر کافر قرار دیا جاتا ہے، ان احکام کو چھوڑنے والا اور ان پر عمل نہ کرنے والا سخت گنہگار اور عذاب کا مستحق ہوتا ہے؛ ان احکام کی مثال جیسے: نماز، روزہ، زکات وغیرہ؛ اور واجب احکام کا منکر کافر قرار نہیں دیا جاتا ہے، البتہ ان احکام کو چھوڑنے والا اور ان پر عمل نہ کرنے والا بھی گنہ گار ہوتا ہے، اس لیے کہ یہ احکام بھی عملاً احکام فرضیہ کی طرح ہیں، اور ان کی بجا آوری بھی ضروری ہے۔

بعض اعمال مسنون ہیں، پھر مسنون اعمال بھی دو طرح کے ہیں، بعض وہ ہیں جن کی بجا آوری ضروری ہے، ان کو ترک کرنے کی وجہ سے بندہ گناہ کا مستحق ہوتا ہے، دوسرے وہ ہیں جن کے کرنے پر ثواب ہے اور نہ کرنے پر کوئی گناہ نہیں ہے، البتہ سنت ہونے کی وجہ سے ان پر عمل کرنا چاہیے۔

بعض اعمال مندوب ومستحب ہیں، یعنی ان کی ادائیگی ضروری تو نہیں ہے، ان کو بجالانے پر ثواب اور نہ کرنے پر کوئی گناہ نہیں ہے، البتہ یہ مندوب ومستحب اعمال ترقیٔ

درجات کا سبب بنتے ہیں۔ اللہ پاک کا یہ بڑا احسان ہے کہ شریعت اسلامیہ میں فرض اور واجب احکام کی کمی کوتاہیوں کو پورا کرنے کے لیے بعض مندوب اعمال بھی ہیں، جن کی ادائیگی ضروری تو نہیں ہے، لیکن فوائد اور ترقی درجات سے خالی نہیں ہے۔

پوری شریعت اسلامی پر غور کرنے سے مختلف قسم کے احکام سامنے آتے ہیں، ایک مسلمان کامل مسلمان اسی وقت بن سکتا ہے، جب تمام احکام کی بجا آوری کرے، فرض و واجبات پر بھی عمل کرے، سنن و مستحبات کا بھی اہتمام کرے۔

پھر سال کے دورانیے میں کچھ اعمال وعبادات تو عمومی ہیں، مثلاً: جو روزانہ ادا کیے جاتے ہیں، جیسے نماز وغیرہ۔ بعض زمانہ اور وقت کے ساتھ خاص ہیں، مثلاً رمضان کی عبادات اور روزے وغیرہ، عشرہ ذی الحجہ کی عبادات، عیدین، شب برأت، شب قدر، محرم کے روزے، حج، قربانی وغیرہ؛ یہ عبادات سال میں صرف ایک مرتبہ لوٹتی ہیں۔

آج معاشرہ میں فرائض وواجبات کی طرف سے جس قدر کوتاہی پائی جا رہی ہے، اس سے کہیں زیادہ سنن اور مندوب ومستحب اعمال کی طرف سے پائی جا رہی ہے، مستحبات کو ہم نے بالکل نظر انداز کر دیا ہے، بلکہ مستحبات سے فائدہ اٹھانے کے بجائے بعض مستحبات کو ہم نے خرافات کی نظر کر دیا ہے۔ مثلاً سال میں ایک بڑی فضیلت والی رات آتی ہے جس کو شب برأت کہا جاتا ہے، ہم نے اس رات کو بجائے عبادت کے خرافات کا مرکز بنا لیا ہے؛ سال میں ایک ایسی رات بھی آتی ہے جس میں عبادت کرنا ہزار مہینوں میں عبادت کرنے سے بہتر اور افضل ہے، ہم اس کو بھی کوئی اہمیت نہیں دیتے ہیں؛ محرم کے روزوں کی روایات میں بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے، لیکن ہم محرم کی خرافات اور رسومات میں پڑ کر ان روزوں کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں۔ سال میں کچھ ایام ایسے آتے ہیں، جن میں روزہ رکھنا ایک سال روزے رکھنے کے برابر ہے اور ایک

رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ہے، یعنی ذی الحجہ کا پہلا عشرہ، لیکن ہم اس عشرہ کے بے شمار فضائل وارد ہونے کے باوجود اس کو کوئی اہمیت نہیں دیتے ہیں اور پورا عشرہ جانوروں کی خریداری اور عید کی تیاریوں میں یونہی گذر جاتا ہے، عیدین کی راتوں کی بھی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے، لیکن ہم ان راتوں کی فضیلت کو بھی نظر انداز کر کے غفلت میں گذار دیتے ہیں۔

فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات سے اپنے آپ کو دور رکھنا سراسر محرومی اور بدنصیبی ہے، گذرا ہوا زمانہ کبھی لوٹتا نہیں ہے، جو گذر گیا سو گذر گیا، زندگی اللہ کی عطا کی ہوئی ایک بڑی نعمت ہے، جس کی رفتار بہت تیز ہے، زندگی اللہ کی اطاعت وعبادت اور نیکیوں کی کمائی کا ذریعہ ہے، جو اس سے فائدہ اٹھالے گا اور اس کی قدر سمجھ لے گا وہی آخرت کی ہمیشہ ہمیش کی زندگی میں کامیاب ہوگا، اور جس نے یہ زندگی اللہ کے احکامات کو نظر انداز کر کے لایعنی اور گناہوں کے کاموں میں صرف کر دی، نیکیوں کی ذخیرہ اندوزی نہیں کی، وہ آخرت کی ابدی زندگی میں ناکام ہوجائے گا، ہماری ابدی کامیابی شریعت اسلامیہ کے تمام احکامات پر عمل پیرا ہونے میں ہے، اور نوافل و مستحبات کے ذریعہ نیکیوں کی ذخیرہ اندوزی میں ہے۔

یہ شریعت اسلامیہ کے احکامات کو بجالانے کے تعلق سے ایک پہلو تھا۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ شریعت محمدیؐ نے جو احکامات ہم کو دیے ہیں، ان کی ادائیگی کے کچھ طور طریقے بھی بتائے ہیں، جن کو مسائل کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے؛ قرآن وحدیث نے تمام احکام واعمال کے طور طریقے بتادیئے ہیں، ہر ہر حکم کی قرآن وحدیث میں رہنمائی موجود ہے، جو کچھ نظروں سے پوشیدہ ہے یا عام لوگ اس کو اپنی کم علمی اور کم فہمی کی بنا پر نہیں سمجھ سکتے ہیں، اس کو فقہائے امت نے قرآن وحدیث سے اخذ کر کے فروعات کی

شکل میں واضح کر دیا ہے، جو احکام ومسائل زمانہ کے اعتبار سے پیش آتے ہیں ان کو علمائے امت قرآن وحدیث کی روشنی اور فقہاء امت کی فروعات کو سامنے رکھ کر واضح کرتے رہتے ہیں۔ مسائل جانے بغیر عبادات کی ادائیگی اور احکامات کی بجا آوری نہایت مشکل ہے۔

غرض شریعت اسلامیہ میں احکامات اور ان کی ادائیگی کے طور وطریقے متعین ہیں، ایک مسلمان کامل مسلمان اسی وقت بن سکتا ہے، جب تمام احکام کو شریعت کے بتائے ہوئے احسن طریقے پر بجالائے، اسی میں کامیابی وکامرانی کا راز مضمر ہے۔

آج کل جہاں احکامات کی بجا آوری میں کوتاہی پائی جا رہی ہے، اس سے کہیں زیادہ احکامات کو سمجھنے، ان کی ادائیگی کے طور وطریقے سیکھنے یعنی مسائل جاننے میں پائی جا رہی ہے؛ مثلاً: ہم نماز تو پڑھتے ہیں، لیکن کس طرح پڑھنی ہے؟ کن کن چیزوں کی رعایت ضروری ہے؟ کن آداب ومستحبات کو پیش نظر رکھنا ہے؟ اس سے اکثر لوگ غافل ہیں۔ ہم حج کرنے تو جاتے ہیں، لیکن کس طرح کرنا ہے؟ کونسے ارکان کب ادا کرنے ہیں؟ کن چیزوں سے حج فاسد ہوجاتا ہے؟ کن چیزوں سے کفارہ اور دم لازم ہوجاتا ہے؟ اکثر لوگوں کو پتہ ہی نہیں ہوتا ہے۔ ہم روزے تو رکھتے ہیں، لیکن کس طرح رکھنے ہیں؟ کن چیزوں کی رعایت ضروری ہے؟ کن چیزوں سے روزہ فاسد اور مکروہ ہوجاتا ہے؟ ہمیں علم ہی نہیں ہے۔ اسی طرح عیدین، قربانی وغیرہ کے مواقع آتے ہیں، عید کا مطلب کیا ہے؟ فضائل واحکام کیا ہیں؟ عید کس طرح منائی جائے؟ کون سے کام کرنے ہیں اور کون سے نہیں؟ قربانی کا کیا مطلب ہے؟ قربانی کس طرح کی جائے؟ کون سے جانوروں کی قربانی درست ہے اور کن کی درست نہیں ہے؟ قربانی کے فضائل کیا ہیں؟ ان چیزوں سے اکثر لوگ ناواقف رہتے ہیں، جبکہ دین کی بنیادی باتوں اور بنیادی احکام کا

علم ہر شخص کو ہونا ضروری ہے۔

سال کے دورانیے میں ایک موقع ایسا بھی آتا ہے، جہاں شریعت کے بہت سے احکام جمع ہوجاتے ہیں، یعنی ذی الحجہ کا پہلا عشرہ، جہاں نماز، روزہ، حج اور قربانی جیسی اہم عبادات جمع ہوجاتی ہیں۔ عشرہ ذی الحجہ کے جہاں بہت سے فضائل وارد ہوئے ہیں، وہیں ان اہم عبادات کا اجتماع اس میں مزید چار چاند لگا دیتا ہے، اسی لیے حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اور علامہ شامی نے مناویؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ: عشرہ ذی الحجہ کی برتری کا سبب یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس میں نماز، روزہ، حج اور زکوۃ جیسی اساس جمع ہوجاتی ہیں۔ (فتح الباری: ۲/۴۶۰۔ فتاوی شامی: ۲/۵۱۱ بیروت)

زیر نظر کتاب میں اسی موقع کی عبادات اور احکامات پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، یعنی عشرہ ذی الحجہ کے فضائل و مسائل، اس عشرے میں روزہ رکھنے اور راتوں کی عبادت کی فضیلت، یوم عرفہ کی فضیلت و اہمیت اور روزے کا حکم، عید کی رات کی فضیلت، عید کی حقیقت، عید الاضحیٰ کے احکام اور فضائل و مسائل، عید کی نماز کا طریقہ اور اس سے متعلق اہم مسائل، تکبیر تشریق اور ایام تشریق کے مسائل، قربانی کی حقیقت و اہمیت اور فضائل و مسائل، قربانی کے جانوروں سے متعلق ضروری احکام، عیب دار جانوروں کی قربانی، قربانی کا طریقہ، چرم قربانی اور گوشت کے مصارف وغیرہ۔ اس موقع کی ایک اہم عبادت یعنی حج کے ضروری احکام و مسائل بھی ذکر کیے گئے ہیں، حج کرنے کا مکمل طریقہ بھی بیان کیا گیا ہے، جو ان شاء اللہ حجاج کرام کے لیے بہترین رہنما ثابت ہوگا۔ آخر میں زیارت مدینہ منورہ کے آداب اور فضائل و مسائل بھی ذکر کیے گئے ہیں۔

تمام احکام و مسائل کا حوالہ قرآن و حدیث اور معتبر فقہی کتابوں سے دیا گیا ہے۔ اس کتاب کو مرتب کرنے میں بہت سی کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے، اللہ تعالی ان تمام

کتابوں کے مصنفین کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ اللہ رب العالمین اس کتاب کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور امت کی رہنمائی کا ذریعہ بنائے، آمین۔

محمد قاسم اوجھاری

ماہِ ذی الحجہ اور اس کے احکام

اسلامی مہینوں میں سب سے آخری مہینہ ذی الحجہ کا ہے، اس کی وجہ تسمیہ خود اس کے نام سے ظاہر ہے، ذوالحجہ کے معنی ہیں حج والا، اس مہینے میں اسلام کا ایک عظیم رکن حج ادا کیا جاتا ہے، اس لیے اس کو ذی الحجہ کہا جاتا ہے۔ اس مہینہ سے بہت سے خصوصی احکامات متعلق ہیں، جن کا مسلمانوں کو خاص طور پر حکم دیا گیا ہے، انہی احکامات کی بنا پر اس مہینے کی عظمت دوبالا ہوجاتی ہے۔ قرآن وحدیث میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے اس مہینے میں دس خصوصی احکام ہیں۔

(۱) حج بیت اللہ: اسلام کا ایک عظیم رکن ہے، جو صرف اسی مہینے میں ادا کیا جاتا ہے۔

(۲) قربانی: صاحب استطاعت لوگوں پر جانور کی قربانی واجب قرار دی گئی ہے اور اسے صرف اس مہینے کے تین دنوں میں ہی ادا کیا جاسکتا ہے۔

(۳) عیدالاضحیٰ: مسلمانوں کا ایک بڑا تہوار ہے، جو اسی مہینے میں ہے، یعنی اس مہینے کی دس تاریخ کو قربانی، نماز، خوشی کی تقریب اور اللہ تعالی کی طرف سے اپنے بندوں کی مہمان نوازی کا دن ہے۔

(۴) تکبیرات تشریق: اس مہینے کے پانچ دنوں میں ہر فرض نماز کے بعد تکبیر تشریق پڑھنا واجب قرار دیا گیا ہے۔ ۹/ ذی الحجہ کی فجر سے ۱۳/ ذی الحجہ کی عصر تک۔

(۵) عشرۂ ذی الحجہ کے روزے: اس مہینے کے شروع کے نو دنوں میں روزہ رکھنے کا خصوصی اجر ہے۔

(۶) یوم عرفہ کا روزہ: اس مہینے کی نو تاریخ، جو یوم عرفہ کہلاتی ہے، اس دن روزہ رکھنے کی خاص فضیلت ہے۔

(۷) چار ایام میں روزے کی حرمت: یعنی پورے سال میں جن پانچ دنوں میں روزہ رکھنے کو ممنوع قرار دیا گیا ہے، ان میں سے چار دن اسی مہینے میں ہیں۔ ۱۰/ ۱۱/ ۱۲ اور ۱۳ ذی الحجہ۔

(۸) دس راتوں کی فضیلت: اس مہینے کی پہلی دس راتوں کی خاص فضیلت ہے۔

(۹) بال اور ناخن نہ کٹوانا: جو حضرات قربانی کریں گے، ان کے لیے ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد سے اپنی قربانی ہونے تک بال اور ناخن نہ کٹوانا مستحب ہے۔

(۱۰) گناہوں سے بچنے کا خاص اہتمام: چوں کہ یہ حرمت والا مہینہ ہے، اس لیے اس مہینے میں گناہوں سے بچنے کا خاص اہتمام ہونا چاہیے۔

عشرۂ ذی الحجہ کے فضائل اور روزے

قدرتِ خداوندی کا نظام ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو اپنی بے انتہا رحمت وشفقت، لطف وکرم اور احسان عظیم سے نوازنے کے لئے مختلف بہانے اور طور وطریقے مقرر فرمائے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالی نے اپنی حکمت کے مطابق تمام انسانوں کو مقام ومرتبے کے اعتبار سے برابر پیدا نہیں کیا، انبیاء علیہم السلام کو تمام بنی نوع انسانی میں خصوصی شرف عطا کیا۔ ان کے بعد حضرات صحابہ اور ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کے مراتب اور درجات بلند فرمائے۔ اسی طرح رب کریم نے تمام جگہوں کو بھی یکساں نہیں بنایا، کل روئے زمین پر جو مرتبہ حرم مکہ، حرم مدینہ اور مسجد اقصی کو حاصل ہے، وہ کسی دوسری جگہ کو نہیں؛ مساجد کو جو عزت اور شرف عطا کیا، اس سے عام زمینیں محروم ہیں؛ انسانوں اور مقامات کی طرح اللہ نے زمانوں میں سے بھی کچھ اوقات کو اپنے خاص قرب، مغفرت اور بخشش کا ذریعہ بنایا ہے؛ چنانچہ ان اوقات میں ایک اہم وقت عشرۂ ذی الحجہ ہے، ذی الحجہ

کے پہلے عشرے کو خصوصی شرف اور فضیلت عطا فرمائی ہے۔

قرآن وحدیث میں عشرۂ ذی الحجہ کے خاص فضائل وارد ہوئے ہیں، قرآن کریم میں اللہ تعالی نے اس عشرے کی راتوں کی قسم بھی کھائی ہے۔ پھر ان ایام میں خصوصاً نویں تاریخ یعنی عرفہ کا دن اور عرفہ اور عید کی درمیانی رات خاص فضیلت کی حامل ہے۔ عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ کا روزہ رکھنا ایک سال گذشتہ اور ایک سال آئندہ کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ عید کی رات میں بیدار رہ کر عبادت میں مشغول رہنا بہت بڑی فضیلت اور ثواب کا موجب ہے۔ اسی طرح عشرۂ ذی الحجہ میں ایک دن کا روزہ رکھنا ایک سال روزے رکھنے کے برابر ہے اور ایک رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کی عبادت کے لیے عشرۂ ذی الحجہ سے بہتر کوئی زمانہ نہیں ہے، ان ایام میں ایک دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر اور ایک رات میں عبادت کرنا شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔ (جامع ترمذی: ۶۸۹، سنن ابن ماجہ: ۱۷۱۸)

خداوند قدوس نے قرآن کریم میں دس راتوں کی قسم کھائی ہے، فرمایا: وَلَيَالٍ عَشْرٍ۔ (سورہ فجر) اور قسم ہے دس راتوں کی۔ جمہور کے قول کے مطابق اس سے ذی الحجہ کے ابتدائی دس دنوں کی راتیں مراد ہیں۔ مفسرین میں سے حضرت ابن عباس، قتادہ، مجاہد، سدی، ضحاک اور کلبی رحمہم اللہ وغیرہ کی بھی یہی رائے ہے۔ (معارف القرآن ۸/ ۷۳۹) حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہی دس راتیں سال کے ایام میں افضل ہیں۔ (جامع ترمذی رقم: ۷۵۸)

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: کوئی دن ایسا نہیں ہے کہ جس میں عمل صالح اللہ کے یہاں ان (ذی الحجہ کے) دس دنوں کے عمل

سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا، یارسول اللہ! کیا جہاد بھی ان (ایام کے عمل) کے برابر نہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: (ہاں) جہاد بھی ان (دنوں میں کیے ہوئے عمل) کے برابر نہیں، مگر وہ شخص جو جان و مال لے کر جہاد کے لیے نکلے پھر ان میں سے کوئی چیز بھی واپس نہ لائے، (نہ جان نہ مال، دونوں قربان کردے یعنی شہید ہوجائے) تو بیشک وہ اس عشرے کے اعمال سے بہتر ہوسکتا ہے۔ (جامع ترمذی، رقم:۷۵۷)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالی کے نزدیک عشرہ ذی الحجہ سے زیادہ عظمت والا کوئی دن نہیں ہے۔ اور نہ اللہ کو ان دنوں کے عمل سے زیادہ کسی اور دن کا عمل زیادہ محبوب ہے۔ لہٰذا تم ان دنوں میں تسبیح وتہلیل اور تکبیر وتحمید کثرت سے کیا کرو۔ (المعجم الکبیر للطبرانی رقم: ۱۱۱۱۶)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں عبادت اللہ تعالی کے نزدیک عشرۂ ذی الحجہ سے زیادہ پسند ہو۔ عشرۂ ذی الحجہ میں سے ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے اور اس کی ہر رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔ (جامع ترمذی رقم:۷۵۸)

حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی سے دن بھی عشرۂ ذی الحجہ سے افضل نہیں ہیں۔ (صحیح ابن حبان، صحیح ابن عوانہ)

یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے تصریح کی ہے: اگر کسی نے نذر مانی کہ میں افضل الایام (تمام دنوں میں سب سے افضل دن) کا روزہ رکھوں گا، تو اس سے کہا جائے گا کہ وہ انہی دنوں (عشرہ ذی الحجہ) میں روزہ رکھے، کیوں کہ سال بھر میں ان ایام سے زیادہ افضل دوسرے کوئی دن نہیں ہیں۔ (فتاوی شامی: ۲/۵۱۱ بیروت)

مذکورہ بالا تمام روایات عشرۂ ذی الحجہ کے احترام، برکت وفضیلت اور عظمت کی بین

دلیل ہیں، ان ایام میں ذکر الٰہی ، عبادت و انابت الی اللہ بہت بڑے ثواب کا باعث ہے۔ لہٰذا اس عشرے میں ہر طرح کی عبادت کی کوشش کرنی چاہیے اور حتی الوسع ان دنوں میں روزہ اور شب بیداری کا خاص اہتمام کرنا چاہیے۔

یوم عرفہ (۹ ذی الحجہ) کی فضیلت اور روزے کا حکم

عشرۂ ذی الحجہ میں یوم عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ کا دن زیادہ ہی خصوصیت اور فضیلت کا حامل ہے، اس دن کی خاص فضیلت وعظمت وارد ہوئی ہے؛ یوں سمجھنا چاہیے کہ سال کے تمام دنوں میں ذی الحجہ کے شروع کے دس دن افضل ہیں اور پھر ان دس دنوں میں بھی سب سے افضل عرفہ کا دن ہے۔ راجح قول کے مطابق عرفہ کا دن سال میں سب سے افضل دن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ نذر مانے کہ سال کے تمام دنوں میں جو افضل دن ہے اس ایک دن کا روزہ رکھوں گا، تو اس کو یوم عرفہ کے روزے کا حکم دیا جائے گا۔ (فتاوی ہندیہ ۱/ ۲۱۲)

بہر حال عرفہ کا دن بہت فضیلت اور عظمت والا ہے اور اس دن روزہ رکھنے کی بھی خاص فضیلت وارد ہوئی ہے۔ یوم عرفہ کی عظمت اور اس دن روزہ رکھنے کی فضیلت سے متعلق چند روایات مندرجہ ذیل ہیں:

حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے یوم عرفہ (۹ ذی الحجہ) کے روزے کے بارے میں فرمایا: میں اللہ پاک سے پختہ امید رکھتا ہوں کہ وہ اس کی وجہ سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کا کفارہ فرمادیں گے۔ (صحیح مسلم: ۱۱۶۲، ترمذی: ۷۱۹)

حضورؐ نے ارشاد فرمایا: عرفہ کا روزہ ہزار روزوں کے برابر ہے۔ (الترغیب عن البیھقی والطبرانی)

حضورؐ نے ارشاد فرمایا: جس نے عرفہ کا روزہ رکھا، اس کے پے در پے دو سال (ایک سال گذشتہ اور ایک سال آئندہ) کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ (الترغیب عن ابی یعلی، سنن ابن ماجہ رقم: ۱۷۳۴)

بیہقی کی روایت ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اپنی زبان کی (بری باتوں سے) اپنے کانوں کی (حرام آواز سننے سے) اپنی آنکھ کی (حرام مناظر دیکھنے سے) عرفہ کے دن حفاظت کی، تو روزۂ عرفہ کی برکت سے اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے۔ (سنن بیہقی)

درمنثور میں ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: اللہ کے نزدیک نہ اس سے زیادہ کوئی افضل دن ہے اور نہ کسی دن میں عمل کرنا اس دن میں عمل کرنے سے افضل ہے، پس لاإلٰه إلاّ اللّٰه اور اللّٰه أكبر کی اس عشرے میں کثرت رکھو، کیوں کہ یہ تہلیل، تکبیر اور اللہ کے ذکر کے دن ہیں۔ (درمنثور، کذافی الترغیب: ۷۳۸)

عرفہ کے دن شیطان بہت ذلیل وخوار اور غصے میں ہوتا ہے، کیوں کہ اس دن میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا بکثرت نزول ہوتا ہے اور بڑے بڑے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ (مؤطا امام مالک، مشکوۃ المصابیح)

عرفہ کے دن سب سے زیادہ لوگ جہنم سے آزاد کیے جاتے ہیں۔ (صحیح ابن حبان: ۳۹۲۶)

یوم عرفہ کی دعا افضل دعا ہے اور دعا کے جو الفاظ حضورؐ اور پہلے انبیاء علیہم السلام نے ارشاد فرمائے ہیں، وہ سب سے بہتر الفاظ ہیں، وہ الفاظ یہ ہیں: **لا إلٰه إلاّ اللّٰه وحده لا شريک له له الملک وله الحمد يحي ويميت بيده الخير وهو على كلّ شيء قدير** (جامع ترمذی: ۳۵۸۵، مؤطا امام مالک)

مذکورہ بالا روایات سے یوم عرفہ کی اہمیت، عظمت وبرکت اوراس دن روزہ رکھنے کی فضیلت واضح ہوجاتی ہے۔ لہٰذا اس فضیلت کو حاصل کرنے کے لیے اس دن روزہ رکھنا چاہیے، اطاعت وعبادت کا اہتمام کرنا چاہیے، ذکر واذکار تسبیح وتحمید کرنی چاہیے اور اللہ تعالی سے گناہوں کی معافی اور دارین کی عافیت مانگنی چاہیے۔

نوٹ: عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے گناہوں کے معاف ہونے کی جو بات ہے، اس سے صرف صغیرہ گناہ مراد ہیں، تمام صغیرہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں، کبیرہ گناہ کی معافی توبہ واستغفار اور معافی ہی سے ہوتی ہے، جیسا کہ وہ گناہ جن کا تعلق بندوں سے ہے، تو ظاہر ہے کہ جس کے حق کو ضائع کیا ہے اس سے معافی مانگنی پڑے گی، مثلاً کسی پر ظلم کیا یا کسی کی غیبت کی (جو کبیرہ گناہ ہے) یہ اسی وقت معاف ہوسکتا ہے جس کی غیبت کی ہے یا جس پر ظلم کیا ہے اس سے معافی مانگ لی جائے۔ اسی طرح وہ گناہ کبیرہ جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہے وہ اسی وقت معاف ہوں گے جب اللہ تعالی سے توبہ اور استغفار کیا جائے۔

حاجیوں کے لیے عرفہ کا روزہ

جس طرح غیر حاجیوں کے لیے عرفہ کا روزہ مستحب ہے، اسی طرح حاجیوں کے لیے بھی عرفہ کے دن کا روزہ مستحب ہے، بشرطیکہ ضعف وکمزوری کا اندیشہ نہ ہو، اور اگر ضعف وکمزوری کا اندیشہ ہو جس کی وجہ سے ارکان حج کی ادائیگی میں خلل واقع ہو، تو پھر ایسے حاجیوں کے لیے عرفہ کے دن کا روزہ رکھنا مکروہ ہے؛ اس لیے حجاج کرام کے لیے بہتر یہی ہے کہ عرفہ کے دن کا روزہ نہ رکھیں، تا کہ وقوف عرفہ وغیرہ میں سستی اور کمزوری وغیرہ نہ ہو۔ پیغمبرؐ سے اس دن افطار بھی ثابت ہے، جیسا کہ ترمذی کی روایت

میں ہے۔ (الموسوعة الفقهية الكويتية: ۴۵/۳۳۱، در مختار مع الشامي: ۲/۸۳۰۔ ملتقی الابحر ۱/۲۵۴ بیروت)

عید الاضحیٰ کی رات کی فضیلت

عید کی رات خصوصی اہمیت وفضیلت کی حامل ہے، عید کی رات کے خاص فضائل روایات میں وارد ہوئے ہیں۔

حضرت ابوامامہؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے دونوں عیدوں (عید الفطر وعید الاضحیٰ) کی راتوں کو ثواب کا یقین رکھتے ہوئے زندہ رکھا تو اس کا دل اس دن نہ مرے گا جس دن لوگوں کے دل مردہ ہوجائیں گے۔ (سنن ابن ماجه: ۱۷۸۲، الترغيب والترهيب: ۱۴۴۴)

عیدین کی راتوں کو زندہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان راتوں کو عبادت الٰہی میں مشغول رکھے، ذکر الٰہی، تسبیح وتہلیل اور نیکیوں کی محبت وہم نشینی میں گذارے اور تمام کارہائے خیر ان راتوں میں کرے؛ جو شخص اس طرح ان راتوں کو گذارے گا تو قیامت کے دن اس کا دل مردہ نہ ہوگا، دل مردہ نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے ہولناک اور دہشت ناک دن میں جبکہ ہر طرف خوف وہراس اور دہشت وگھبراہٹ پھیلی ہوئی ہوگی، لوگ بدحواس اور مدہوش ہوں گے اور ان کی نشے کی سی کیفیت ہوگی، حالاں کہ انہیں نشہ قطعاً نہ ہوگا، لیکن قیامت کی ہولناکیاں انہیں حواس باختہ کردیں گی، ایسے قیامت خیز دن میں حق تعالی اس بندے کو پرلطف اور باسعادت زندگی بخشیں گے، اس بندے پر خوف ودہشت کا دور دور تک کوئی نام ونشان نہ ہوگا، ہر بھلائی اس کے قدم چومے گی، اس پر رحمت ہی رحمت برسے گی، اور وہ بہت پرلطف وپرمسرت زندگی میں مگن ہوگا۔ (حاشية الترغيب)

اسی طرح ایک دوسری روایت میں ہے، حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے (ذکر وعبادت) کے ذریعہ پانچ راتیں زندہ رکھیں، اس کے لیے جنت واجب ہوگئی، (وہ پانچ راتیں یہ ہیں) آٹھ ذی الحجہ کی رات، عرفہ کی رات، عیدالاضحیٰ کی رات، عیدالفطر کی رات، اور پندرہویں شعبان کی رات۔ (الترغیب والترھیب: ۱۶۵۶)

مذکورہ روایت میں پانچ راتوں کی خصوصی فضیلت بتائی گئی ہے، جس میں دو راتیں عیدین کی بھی ہیں۔ جو شخص ان راتوں میں جاگ کر اللہ کی اطاعت وعبادت میں لگا رہے تو اس شخص کے لیے اس کی محنت کا بدلہ اور صلہ حق تعالیٰ شانہ کے یہاں یہ ہے کہ اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔

سال بھر کی سینکڑوں راتوں میں سے ان پانچ راتوں میں جاگنا اور عبادت میں لگنا بہت زیادہ کٹھن اور دشوار نہیں ہے، دنیا کے معمولی نفع اور فائدے کے لئے بیسوں راتیں جاگ کر گذار دیتے ہیں، تو کیا آخرت کے ہولناک منظر اور بھیانک دن سے بچنے، پاکیزہ زندگی حاصل کرنے اور مقام جنت کو پانے کے لیے ہم ان راتوں میں جاگ کر عبادت نہیں کر سکتے؟

مذکورہ روایات عیدالاضحیٰ کی رات کی فضیلت اور عظمت پر بین دلیل ہیں اور بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ عید کی رات آسمانوں میں ''لیلۃ الجائزہ'' کے نام سے جانی جاتی ہے۔ لہٰذا ہمیں اس رات کی قدر کرنی چاہیے اور اس کی قدر دانی یہی ہے کہ یہ رات طاعت وعبادت، ذکر الٰہی، تسبیح وتحمید، درود شریف اور دیگر عبادات میں گذاری جائے، ساری رات نہ جاگ سکیں تو جتنا ممکن ہو اتنا کر لیں، کم از کم عشاء اور فجر کی نماز تکبیر اولیٰ کے ساتھ ادا کریں، درمیان میں جتنی دیر عبادت کر سکیں کریں، اتنا کرنے پر بھی امید

ہے کہ حق تعالیٰ ہمیں محروم نہیں فرمائیں گے۔

ہمارا حال

نہایت افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم نے ان سب برکتوں اور رحمتوں سے اپنے آپ کو محروم کر رکھا ہے اور نہ صرف محروم بلکہ یہ مبارک عشرہ اور عید کی مبارک رات طرح طرح کی لغویات، فضول باتوں اور لایعنی کاموں میں گذار دیتے ہیں، بعض لوگ عید کی رات مختلف کھیلوں میں مصروف ہوکر گذار دیتے ہیں، بعض لوگ ٹی وی کے پروگرام اور عید کی خوشیاں دیکھنے میں مصروف ہوجاتے ہیں، بعض لوگ اس مبارک رات میں بازاروں کی سجاوٹ، چمک دمک، خریداروں کی کثرت کا منظر دیکھنے کے لیے بازاروں میں تفریح کے لیے نکل جاتے ہیں اور اس طرح اس مبارک رات میں بجائے کچھ حاصل کرنے کے گناہوں کے کاموں میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ بعض لوگ اس رات میں ہوٹلوں میں جا کر ٹھنڈے گرم مشروبات پینے میں مصروف ہوکر گھنٹوں اِدھر اُدھر فضول باتوں اور گناہوں کے کاموں میں گذار کر اس مقدس رات کا بہترین اور اکثر حصہ ضائع کر دیتے ہیں، جو کہ سراسر محرومی کی بات ہے۔ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جنہیں عشرہ ذی الحجہ کی عظمت وفضیلت کا علم ہی نہیں، اس لیے وہ کبھی اس عشرے میں ذکر وعبادت اور تسبیح وتحمید کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے، اس طرح وہ اپنی جہالت اور نادانی کی وجہ سے عظیم نعمت سے محروم ہوجاتے ہیں، جو کہ بڑے خسارے کی بات ہے۔ یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض وہ لوگ جنہیں اس عشرے کی عظمت وفضیلت کا علم ہے، وہ بھی اس عشرے کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ بیشک اس عشرے میں عبادات ونوافل وغیرہ کا اہتمام کرنا فرض اور واجب نہیں ہے، لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ اس عشرے کی کوئی اہمیت ہی نہ

سمجھی جائے اور غیر واجب سمجھ کر نعمتوں کے حصول سے اپنے آپ کو محروم کرلیا جائے۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اس عشرے میں عید کی تیاریوں، جانوروں کی خریداری اور بازاری خریداری وغیرہ میں ایسے مصروف اور منہمک ہوجاتے ہیں کہ سارا وقت بازار ہی میں گذار دیتے ہیں، اور انہیں اس کا کچھ احساس بھی نہیں ہوتا۔

یاد رکھیں! ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن، ان کی راتیں اور ان میں بھی خصوصاً عید الاضحیٰ کی رات بڑے مبارک ہیں اور آخرت کمانے کا بہترین موقع اور ذریعہ ہیں۔ بندۂ مؤمن جس کی زندگی کا مقصد صرف حق تعالی کی رضا اور حصول جنت ہے، اس کے لیے یہ بہت ہی نادر موقع ہے، جو حق تعالی نے محض اپنی رحمت سے عطا فرمایا ہے، ان مبارک دن اور راتوں کو بے حد غنیمت سمجھا جائے اور ہر شخص اپنی طاقت کے مطابق ان ایام میں زیادہ سے زیادہ طاعت وعبادت، ذکر واذکار، تلاوت، تسبیح وتحمید اور توبہ واستغفار کا اہتمام کرے، اگر زیادہ نفلی عبادت وطاعت نہ کر سکے تو کم از کم گناہوں اور لغویات سے تو اپنے آپ کو ضرور دور رکھے، تمام رات اگر کوئی نہ جاگ سکے تب بھی کوئی حرج نہیں ہے، لیکن آسانی اور بشاشت کے ساتھ جتنی دیر جاگ کر عبادت کر سکیں اتنا ہی کرلیں، اور ادنی درجے میں اتنا تو ضرور کرلیا جائے کہ عشاء اور فجر کی نماز باجماعت مع تکبیر اولی ادا کرے، درمیان میں کسی وقت (اگر شب کا آخری حصہ ہو تو زیادہ بہتر ہے) تھوڑی دیر عبادت کر کے دعا اور استغفار کرے، اللہ تعالی سے اس کی رحمتیں اور برکتیں مانگے، خوب توبہ واستغفار کرے، حق تعالی کی وسیع رحمت سے قوی امید ہے کہ وہ اپنے عاجز اور کمزور بندوں سے اتنا بھی قبول فرمالیں گے اور محروم نہ فرمائیں گے۔ اللہ کے یہاں نعمتوں، رحمتوں اور بخششوں کی کمی نہیں ہے، وہ تو بے تحاشا نوازتے ہیں، بس مانگنے والا ہونا چاہیے، ہم اپنی کمزوری اور پریشانیوں کا رونا روتے ہیں، لیکن کیا ہم نے کبھی اللہ سے سچے دل سے کچھ

مانگا ہے؟

عشرۂ ذی الحجہ میں بال اور ناخن نہ کاٹنا

عشرہ ذی الحجہ میں ایک حکم بال اور ناخن نہ کاٹنے کا ہے، حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم ذی الحجہ کا چاند دیکھ لو اور تمہارا قربانی کرنے کا ارادہ ہو، تو تم اپنے بال اور ناخن کاٹنے سے رکے رہو۔ (صحیح مسلم: ۱۹۷۷۔جامع ترمذی:۱۵۲۳)

فقہاء نے لکھا ہے: جس شخص کا قربانی کرنے کا ارادہ ہو، اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ ذی الحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد اپنی قربانی ہونے تک بال اور ناخن نہ کٹوائے، یہ حکم استحبابی ہے، حدیث میں مذکور نہی خلاف اولی پر محمول ہے۔ اور اگر بالوں کی صفائی اور ناخن کاٹے ہوئے چالیس دن سے زیادہ گذر گئے ہوں تو پھر ان مذکورہ چیزوں کی صفائی واجب ہے۔ (اعلاء السنن:۸۰۴/۱۶۔احسن الفتاوی:۷/۴۹۷)

بال اور ناخن نہ کاٹنے کی حکمت

عشرۂ ذی الحجہ میں بال اور ناخن نہ کاٹنے کا جو حکم ہے، اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں: چونکہ یہ وہ زمانہ ہے جس میں چاروں طرف سے لوگ کھنچ کھنچ کر حج کرنے کے لیے بیت اللہ کی طرف جارہے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ بیت اللہ میں کوئی مقناطیس لگا ہوا ہے، جو چاروں طرف سے لوگوں کو کھینچ رہا ہے اور حضرت ابراہیمؑ کی دعا پوری ہو رہی ہے، آپ نے فرمایا تھا: **وَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ** (سورہ ابراھیم:۳۷) اے اللہ! لوگوں کے دلوں کو ایسا

بنا دیجیے کہ لوگ اس کی طرف کھنچ کھنچ کر آئیں؛ لیکن بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو حج تو کرنا چاہتے ہیں مگر ان کے لیے وسائل مہیا نہیں ہیں، یا کوئی اور مجبوری ہے، اللہ تعالی ان لوگوں کو جو پیسے کی کمی کی وجہ سے حج نہیں کر سکے، حج کی برکت سے محروم فرما دیں گے؟ اللہ تعالی کی شان رحیمی سے یہ بہت بعید ہے کہ کسی آدمی کو صرف پیسے نہ ہونے کی وجہ سے محروم فرما دیں۔ چنانچہ اللہ نے ایک چھوٹا سا عمل بتا دیا کہ تمہیں حج کو جانے والوں کی تھوڑی سی مشابہت اختیار کرنی پڑے گی، وہ یہ کہ جیسے حاجی حضرات بال اور ناخن نہیں کاٹتے، تم بھی یہ مشابہت اختیار کرلو اور بال اور ناخن نہ کاٹو، جب تم نے مشابہت اختیار کر لی، تو اس طرح ان حاجیوں سے اپنا رشتہ جوڑ لیا؛ لہٰذا جب اللہ تعالی عرفات کے میدان میں حاجیوں پر رحمت کی بارش برسائیں گے، تو اس کا کوئی چھینٹا تم تک بھی ضرور پہنچے گا۔ یہ جو کہا جا رہا ہے کہ بال اور ناخن نہ کاٹو، درحقیقت کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اے اللہ! میں وہاں تک تو نہ پہنچ سکا، لیکن جانے والوں کے ساتھ تھوڑی سی مشابہت پیدا کر لی ہے، تو کیا میں صرف اس وجہ سے محروم رہ جاؤں گا کہ میرے پاس پیسے نہیں ہیں؛ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ نہیں! ہماری شان رحیمی تمہیں محروم نہیں کر سکتی، جب تم نے مشابہت پیدا کر لی تو تم بھی اللہ کی رحمتوں میں ضرور شامل ہو گے۔ (فلسفہ حج وقربانی ۱۶، ۱۷)

عید کا بیان

عید کی ابتدا، پس منظر اور حقیقت

عید لفظ ''عود'' سے مشتق ہے، جس کے لغوی معنی ہیں، بار بار آنا۔ (فیروز اللغات ۹۰۸) چنانچہ اس دن کو عید اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ دن بار بار یعنی ہر سال آتا ہے۔ (مصباح اللغات ۵۸۳) بعض حضرات کہتے ہیں: اس دن کا نام عید اس لیے ہے، کیونکہ اللہ تعالی عود کرتا ہے، یعنی بندوں پر اپنی رحمت اور بخشش کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے۔ بہر حال یہ دن چونکہ بار بار لوٹ کر آتا ہے، اس کے لوٹ آنے سے خوشیاں لوٹ آتی ہیں اور اللہ کا فضل وکرم بار بار ہوتا ہے، اللہ تعالی اپنے بندوں کو فرحت وشادمانی بار بار عطا کرتا ہے، ان تمام توجیہات میں عود کا مفہوم پایا جاتا ہے اور عید اور عود دونوں ہم معنی ہیں، اس لیے اس دن کو عید کہا جاتا ہے۔

اسلام ایک ایسا مبارک دین و مذہب ہے، جس کی مذہبی اقدار اور تعلیمات لہو ولعب سے کوسوں دور اور خرافات کے شائبہ سے بالکلیہ پاک ہیں، چنانچہ اسلامی شریعت نے جہاں انسانی فطرت کا لحاظ کرتے ہوئے اپنے متبعین کے لئے سال میں دو دن عید کے نام پر خوشی ومسرت کے لیے تجویز کیے ہیں وہیں ان میں پر عظمت عبادت دوگانہ نمازِ عید واجب کر کے خوشی کے جذبات کے ساتھ معرفت خداوندی اور شکر نعمت جیسے واجبات کی طرف بھی توجہ دلائی ہے، عید محض ایک مذہبی تیوہار نہیں بلکہ انعاماتِ خداوندی کی شکر گزاری کا دن ہے، عید کھیل کود کا دن نہیں بلکہ خدا کی معرفت حاصل کرنے کا دن ہے، وہ

منظر بڑا خوش نما اور عبرت آموز ہوتا ہے جب ایک ہی دن، ایک ہی وقت، ایک ہی انداز میں اور ایک ہی جذبے کے ساتھ دنیا کے گاؤں گاؤں، چپہ چپہ، شہر شہر، مسجدوں میں، میدانوں میں، سڑکوں میں، عیدگاہوں میں، سینکڑوں نہیں، بلکہ ہزاروں لاکھوں فرزندان توحید بارگاہ ایزدی میں سجدہ ریز ہوکر نہ صرف جذبۂ عبدیت کا اظہار کرتے ہیں، بلکہ اسلامی اخوت کی بھی شاندار مثال پیش کرتے ہیں؛ جب اجلے عمدہ لباس پہنے بچے، بوڑھے اور جوان عید کی خوشیاں مناتے اور اپنے پروردگار کی تسبیح وتحمید میں مشغول نظر آتے ہیں تو دیکھنے والوں کا دل، عظمت ایزدی سے سرشار اور روح، ایمانی سرور سے مسرور ہوجاتی ہے؛ رحمت کے فرشتے آسمان سے نازل ہوتے ہیں، بڑے بڑے مجامع میں عاجزی وانکساری اور تضرع وزاری کے ساتھ دعا کے لئے اٹھنے والے ہاتھ اللہ تعالی کے لطف وکرم، انعامات اور رحمتوں کے بے پایاں نزول کا سبب بن جاتے ہیں۔

دنیا کی قوموں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ اپنے تیوہار اور خوشی کے دنوں میں لہو ولعب، ناچ گانے، شراب نوشی اور تفریحات کو پسند کرتے ہیں، اگلے پچھلے رنج وغم اور مصائب کو بھول کر وقتی خوشی میں ایسے سرشار ہوجاتے ہیں کہ انہیں کچھ پتہ ہی نہیں رہتا؛ ہندوؤں میں ہولی اور دیوالی کے موقع پر ایسے مناظر بکثرت دیکھنے کو ملتے ہیں، اسی طرح عیسائیوں کے یہاں جب کرسمس کا دن آتا ہے تو وہ ہر طرح کے معاصی اور منکرات میں مبتلا ہوکر اظہار مسرت کرتے ہیں؛ یہی دستور زمانۂ جاہلیت میں بھی رائج تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینے کے لوگ سال میں دو دن خوشی کے مناتے تھے، ان دونوں دنوں میں خوب کھیل کود ہوتا تھا اور گانے باجے کی مجلسیں جمتی تھیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب سلسلوں کو ختم فرما کر اللہ تعالی کے حکم سے ان دو دنوں کے بجائے دو خوشی کے دن (عید الفطر اور عید الاضحیٰ) مقرر فرمائے۔

چنانچہ ایک روایت میں ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے، اس وقت اہل مدینہ (جن کی اکثریت اب ایمان لا چکی تھی) کے دو دن کھیل کود (تفریح وغیرہ) کے لیے مقرر تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: یہ دونوں دن کس بات کے لیے ہیں؟ ان لوگوں نے بتایا کہ ایامِ جاہلیت میں ہم لوگ کھیل کود کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالی نے آپ لوگوں کو ان دونوں دنوں کے بدلے دوسرے دو دن عنایت فرمائے ہیں اور یہ ان سے بہتر ہیں، ایک عیدالفطر کا دن اور دوسرا عیدالاضحیٰ کا دن۔ (سنن ابو داؤد: ۱/۱۶۱ رقم: ۱۱۳۴، سنن نسائی: ۱۰۰۶)

اوران دنوں میں اظہارِ مسرت کا مظاہرہ کھیل کود، لہوولعب اور تفریحات کے ذریعہ نہیں کرایا گیا بلکہ اسلام کے ماننے والوں کو حکم ہوا کہ وہ مسرت کا اظہار اس انداز میں کریں کہ خوشی ان کے ظاہر اور باطن سے نمایاں ہو سکے، دلوں کی گہرائیوں سے سرور کی خوشبوئیں اٹھیں، ذہن ودماغ کے گوشوں سے عطر بیز ہوائیں پھیلیں اور بدن کا رگ وریشہ اور رواں اظہارِ مسرت میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کرنے لگے۔ ایسی لازوال خوشی کے حصول اور اس کے اظہار کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان جس رب کائنات کا بندہ ہے وہ اس بندہ نواز کے سامنے اپنی بندگی کا اظہار کر کے اس کی خوشنودی کا مستحق بن جائے، ظاہر ہے کہ جس بندے کا آقا اس سے خوش ہو جائے اس بندے کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا خوشی ہو سکتی ہے؟ اسی لیے قرآن کریم میں فرمایا گیا: ورضوان من اللّٰہ أکبر (سورۃ التوبہ) (اور اللہ کی طرف سے خوشنودی سب سے بڑی نعمت ہے) اسی بنا پر اہل ایمان کے لیے خوشی کے دنوں میں اظہار بندگی کا حکم دے کر شکرانہ کے طور پر دوگانہ نماز ادا کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے، یہی عید کی اصل

روح ہے، بقیہ جو لوازمات ہیں (مثلاً نہانا دھونا، خشبو لگانا، نئے کپڑے پہننا، بشاشت ظاہر کرنا وغیرہ) وہ سب ضمنی ہیں۔ آج کے دن کا اصل کام یہ ہے کہ بندہ اپنے عمل سے یہ ظاہر کردے کہ وہ واقعی اپنے رب کا فرماں بردار اور اطاعت گزار ہے، ایسے ہی بندے کو درحقیقت آج خوشی منانے کا حق ہے۔ (کتاب المسائل ۱/۴۶۷)

عیدالاضحیٰ کا معنی اور مفہوم

عیدِ اضحیٰ یا عیدالاضحیٰ کا مطلب ہے بقرعید، یعنی مسلمانوں کا وہ تہوار جو دس ذی الحجہ کو منایا جاتا ہے، جس میں جانوروں کی قربانی کی جاتی ہے۔ (فیروزاللغات: ۹۰۸)

دس ذی الحجہ تاریخ عالم کا وہ مبارک دن ہے جس میں حضرت ابراہیمؑ نے اپنی دانست میں اللہ تعالی کا حکم پاکر اپنے لختِ جگر حضرت اسماعیلؑ کو ان کی رضامندی سے قربانی کے لئے اللہ کے حضور میں پیش کر کے ان کے گلے پر چھری رکھ کر اپنی سچی وفاداری اور کامل تسلیم ورضا کا ثبوت دیا تھا اور اللہ تعالی نے عشق ومحبت اور قربانی کے اس امتحان میں ان کو کامیاب قرار دے کر حضرت اسماعیلؑ کو زندہ سلامت رکھ کر ان کی جگہ ایک جانور کی قربانی قبول فرمالی تھی۔ ان کی اس نقل کو قیامت تک کے لیے رسم عاشقی قرار دیا گیا اور اس دن کو اس عظیم تاریخی واقعے کی وجہ سے تہوار قرار دیا گیا۔ امت مسلمہ چونکہ ملت ابراہیمی کی وارث اور اسوۂ خلیلی کی نمائندہ ہے، اس لیے دس ذی الحجہ کے موقع پر پورے عالم اسلامی کا حج میں اجتماع اور مناسک حج قربانی وغیرہ اسی واقعے کی گویا اصل اور اوّل درجے کی یادگار ہیں؛ اسلامی شہروں اور بستیوں میں عیدالاضحیٰ کی تقریبات، نماز اور قربانی وغیرہ اسی واقعے کی نقل اور دوم درجے کی یادگار ہیں۔

عیدالاضحیٰ کے دن مسنون اعمال

عیدالاضحیٰ کے دن کچھ اعمال مسنون ہیں، جومندرجہ ذیل ہیں:

(۱) شریعت کے موافق اپنی آرائش کرنا۔(۲) غسل کرنا۔(۳) مسواک کرنا۔ (۴)حسب طاقت عمدہ کپڑے پہننا۔ (۵) خوشبو لگانا۔ (۶) صبح کو جلد اٹھنا۔ (۷)عیدگاہ میں جلدی جانا۔(۸)عیدالاضحیٰ کے دن نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا اور نماز کے بعد اپنی قربانی کے گوشت سے کھانا۔(۹)عید کی نماز عیدگاہ میں پڑھنا (اگر عذر ہوتو مسجد میں بھی پڑھ سکتے ہیں)۔(۱۰) ایک راستے سے عیدگاہ جانا اور دوسرے راستے سے واپس آنا۔(۱۱) عیدگاہ جاتے ہوئے راستے میں اللّٰہ أکبر اللّٰہ أکبر لا إلٰہ إلاّ اللّٰہ و اللّٰہ أکبر اللّٰہ أکبر و للہ الحمد پڑھنا (عید الفطر میں آہستہ اورعیدالاضحیٰ میں بلند آواز سے)۔ (۱۲) سواری کے بغیر عیدگاہ پیدل جانا۔(بدائع الصنائع:۲/۲۴۹ بیروت، حاشیہ الطحطاوی علی المراقی:۵۳۰ بیروت، ہندیہ:۱/۱۶۵ بیروت، اعلاء السنن: ۶/۲۴۲۸)

عید کی نماز قائم کرنے کی شرط

بڑے شہروں اور قصبوں میں جہاں اقامت جمعہ کے شرائط پائے جاتے ہوں (مثلا وہاں کی آبادی کم ازکم تین ہزار ہو یا ضروریات زندگی بآسانی مہیا ہوں وغیرہ) وہاں عید کی نماز پڑھنا واجب ہے، البتہ جہاں شرائط جمعہ نہ پائے جاتے ہوں وہاں عید کی نماز پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے۔(درمختار مع الشامی:۳/۴۵، زکریا)

عید کی نماز کا وقت

عید کی نماز کا وقت طلوع آفتاب کے تقریباً پندرہ بیس منٹ (مکروہ وقت نکل جانے) کے بعد شروع ہو جاتا ہے، لیکن نماز کا ایسا وقت مقرر کیا جائے کہ لوگ تمام تیاریاں کر کے بسہولت عیدگاہ میں حاضر ہو سکیں، اور عیدالاضحیٰ کی نماز میں اگر کوئی اتفاقیہ عذر پیش آ جائے (مثلاً شہر میں کرفیو لگا ہوا ہو وغیرہ) تو گیارہویں اور بارہویں تاریخ کو بھی عیدالاضحیٰ کی نماز ادا کی جا سکتی ہے۔ (حاشیۃ الطحطاوی: ۵۳۲ اشرفی، مراقی الفلاح: ۲۹۰، شامی: ۳/۵۹، زکریا)

عید کی نماز عیدگاہ میں پڑھنا سنت ہے

عید کی نماز شہر سے باہر نکل کر عیدگاہ میں پڑھنا سنت ہے۔ (در مختار مع الشامی: ۳/۴۹) حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن عیدگاہ میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری، رقم: ۹۵۶)

شہر کی متعدد مسجدوں میں عید کی نماز پڑھنا

شہر کی متعدد مسجدوں میں بھی عید کی نماز ادا کرنے کی اجازت ہے، اور عیدگاہ میں نماز ہونے سے پہلے شہر کی مسجدوں میں نماز عید بلا کراہت جائز ہے۔ (در مختار مع الشامی: ۳/۵۹، هدایه: ۱/۴۴۶ اشرفی۔ فتاوی شامی: ۹/۴۶۰)

نوٹ: آج کل بہت سی جگہ عموماً شہروں میں بہت سے لوگ عید کی نماز کے لیے

عیدگاہ میں نہیں جاتے بلکہ مسجدوں میں ہی ادا کر لیتے ہیں، خصوصاً عیدالاضحیٰ کی نماز، حتی کہ چھوٹی چھوٹی مسجدوں میں بھی عید کی نماز ادا کی جاتی ہے۔ یادرکھیں! عید کی نماز عیدگاہ میں ادا کرنا ہی سنت ہے، البتہ عذر کی صورت میں مسجد یا آبادی کے اندر کسی مقام پر بھی پڑھ سکتے ہیں، خاص طور پر ضعفاء اور کمزور لوگوں کے لیے مسجدوں میں پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، لیکن محض سستی یا کاہلی کی بناء پر یا جلدی قربانی کرنے کی وجہ سے عیدگاہ کو چھوڑ کر مسجدوں میں پڑھ لینا درست رویہ نہیں ہے، نماز تو بہرحال ہوجائے گی، لیکن سنت سے محرومی ہوگی۔

عید کی نماز سے پہلے گھر یا عیدگاہ میں نفلیں پڑھنا

عید کی نماز سے پہلے گھر یا عیدگاہ میں نفلیں پڑھنا جائز نہیں ہے، حتی کہ عورتیں بھی اس دن اشراق اور چاشت وغیرہ کی نمازیں اس وقت تک نہ پڑھیں جب تک کہ عید کی نماز باجماعت نہ پڑھ لی جائے۔ (فتاوی شامی، زکریا: ۳/۵۰۔ امدادالمفتین: ۴۰۷)

تنبیہ: بعض لوگ عیدگاہ پہنچ کر عید کی نماز سے پہلے نمازیں پڑھتے ہیں اور پوچھنے پر کہتے ہیں کہ ہم فجر کی نماز قضا پڑھ رہے ہیں، تو اجتماعی طور پر عیدگاہ میں قضا نماز پڑھنا طرح طرح کی چہ می گوئیاں اور انتشار کا سبب بنتا ہے، اس لیے اس طریقے سے احتراز لازم ہے۔ اول تو مسلمان کی یہ شان ہی نہیں ہے کہ کوئی نماز قضا کرے اور اگر بالفرض قضا ہو بھی جائے تو اسے برسرِعام پڑھنے کے بجائے گھر میں ادا کرے، تاکہ اپنی کوتاہی مخلوق کے سامنے نہ آسکے، کمی کوتاہیوں کو چھپایا جاتا ہے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ لوگ اپنی اس کوتاہی کو سب کے سامنے ظاہر کرتے ہیں اور عیدگاہ میں نیت باندھ کر سب کے سامنے یہ ثبوت دیتے ہیں کہ ہم نے فجر کی نماز نہیں پڑھی، لہٰذا یہ طریقہ بہتر نہیں ہے، اس وقت قضا

نماز پڑھنے سے احتراز کیا جائے، قضا کے لیے کوئی دوسرا وقت نکالا جائے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک ہم فجر کی نماز ادا نہیں کریں گے، ہماری عید کی نماز نہیں ہوگی، اس لیے وہ عیدگاہ میں عید کی نماز سے پہلے فجر کی قضا کی نیت باندھ لیتے ہیں، یہ خیال بھی غلط ہے، اگر کسی کی فجر کی نماز چھوٹ جائے اور وہ اس کی قضا کیے بغیر عید کی نماز پڑھ لے تو اس کی عید کی نماز درست ہوجائے گی، لیکن یہ ایک مؤمن کی شان نہیں ہے کہ وہ عید جیسے مقدس دن میں بھی فجر کی نماز چھوڑ کر عید کی نماز میں شامل ہو۔

عورتوں پر عید کی نماز واجب نہیں ہے

عورتوں پر جمعہ اور عید کی نماز واجب نہیں ہے، لیکن اگر وہ جماعت میں شامل ہو کر عید کی نماز پڑھنا چاہیں تو پڑھ سکتی ہیں؛ البتہ چونکہ عام حالات میں انہیں عیدگاہوں اور مسجدوں میں جا کر نماز میں شریک ہونا بعض علماء کی رائے کے مطابق فتنے کا سبب ہے، اس لیے ان کے لیے بہتر ہے کہ عید کی نماز میں شامل نہ ہوں۔ البتہ حرمین شریفین یا کوئی ایسی جگہ جہاں فتنے وغیرہ سے مکمل حفاظت کے انتظامات ہوں، وہاں اگر عورتیں عید کی نماز میں شامل ہوجائیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (فتاوی ھندیہ: ۱/۱۵۰، فتاوی شامی زکریا: ۳/۴۵، در مختار مع الشامی: ۲/۳۰۷ زکریا)

نوٹ: مردوں کی طرح عورتوں کے لیے بھی عید کے دن مستحب ہے کہ وہ غسل کریں اور عمدہ لباس زیب تن کریں، کیوں کہ یہ خوشی اور زیب و زینت کا دن ہے۔ اور اگر چاہیں تو عیدگاہ یا مساجد میں عید کی نماز ہوجانے کے بعد اپنے گھروں میں تنہا تنہا بطور شکرانہ نفل نماز پڑھ لیں۔ (حلبی کبیری: ۵۶۶، فتاوی شامی زکریا: ۳/۴۸)

عید کی نماز کی نیت

عید کی نماز شروع کرتے وقت مقتدی کے دل میں یہ استحضار رہے کہ میں قبلہ رو ہوکر اس امام کے پیچھے دو رکعت واجب نماز ادا کر رہا ہوں، جس میں چھ زائد واجب تکبیریں ہیں۔ نیت کے لیے دل میں اتنا استحضار کافی ہے، اصل نیت دل میں ارادے کا نام ہے، زبان سے نیت کے الفاظ کہنا ضروری نہیں ہے۔ اور اگر کوئی زبان سے کہنا چاہے تو کہہ سکتا ہے، اس طرح کہے: میں نیت کرتا ہوں دو رکعت نماز واجب (عید الفطر یا عید الاضحیٰ) کی، مع زائد چھ تکبیروں کے، پیچھے ان امام صاحب کے، واسطے اللہ تعالیٰ کے، منھ میرا کعبہ شریف کی طرف؛ پھر اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لے۔ (الاشباہ والنظائر: ۱/۸۴)

عید کی نماز پڑھنے کا طریقہ

عید کی نماز کا طریقہ یہ ہے کہ نیت کے بعد تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھ لیں، ثنا پڑھیں، اس کے بعد امام صاحب ہاتھ اٹھا کر تین تکبیریں کہیں گے، مقتدی بھی ساتھ ساتھ ہاتھ اٹھا کر تین مرتبہ تکبیر کہیں، پہلی دو تکبیروں کے بعد ہاتھ اٹھا کر چھوڑتے رہیں اور تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لیں، اس کے بعد امام صاحب سورۂ فاتحہ اور سورت پڑھیں گے، پھر رکوع سجدے کرکے ایک رکعت مکمل ہوجائے گی؛ دوسری رکعت میں اوّلاً امام صاحب سورۂ فاتحہ اور سورت پڑھیں گے، پھر رکوع میں جانے سے پہلے امام صاحب ہاتھ اٹھا کر تین مرتبہ تکبیر کہیں گے، مقتدی بھی امام کے ساتھ ساتھ تین مرتبہ ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہیں، تینوں تکبیروں پر ہاتھ باندھیں نہیں بلکہ اٹھاتے رہیں اور چھوڑتے رہیں، پھر ہاتھ اٹھائے بغیر چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع میں چلے جائیں۔ (یہ رکوع والی تکبیر ہوگی) اور

پھر بقیہ نماز حسب معمول پوری کرلیں۔ (حلبی کبیر:۵۶۷، الفتاوی الھندیه:۱/۱۶۵، حاشیۃالطحطاوی: ۵۴۱، بیروت)

عید کی نماز کی رکعتوں میں زائد تکبیرات بھول جانا

اگر عید کی نماز کی پہلی رکعت میں امام صاحب تکبیراتِ زوائد کہنا بھول گئے اور سورۂ فاتحہ کا کچھ حصہ یا پوری سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد یاد آیا، تو اسی وقت تکبیراتِ زوائد کہہ کر سورۂ فاتحہ دوبارہ پڑھیں؛ اور اگر سورۂ فاتحہ اور سورت پڑھنے کے بعد یاد آیا، تو اب اسی وقت صرف تکبیرات کہہ لیں، قرأت کا اعادہ نہیں ہوگا۔ اور اگر امام صاحب نمازِ عید کی دوسری رکعت میں قرأت کے بعد تکبیرات زوائد نہ کہہ کر رکوع میں چلے گئے، تو اس صورت میں رکوع ہی میں ہاتھ اٹھائے بغیر تکبیرات کہہ لیں، کھڑے ہو کر کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (فتاوی شامی زکریا:۳/۵۵-۵۷، حلبی کبیر: ۵۷۲)

عید کی نماز میں سجدۂ سہو کا حکم

عید کی نماز میں اگر کوئی واجب چھوٹ جائے یا فرض مکرر ہو جائے یا اور کوئی سجدۂ سہو کو واجب کرنے والی صورت پیش آجائے، تو کثیر مجمع میں فتنہ پھیلنے کے خوف سے عید کی نماز میں سجدہ سہو نہیں کیا جائے گا، بلکہ بغیر سجدہ سہو نماز مکمل کرلی جائے گی۔ (فتاوی شامی زکریا: ۲/۵۶۰، امداد المفتین:۴۰۶)

عید کی نماز میں مسبوق کے مسائل

مسبوق اس شخص کو کہتے ہیں جس کی کوئی رکعت چھوٹ جائے۔ اگر کسی کی عید کی نماز میں

رکعت چھوٹ گئی، تو اس کی کئی صورتیں ممکن ہیں، ہر ایک کا حکم ذیل میں بیان کیا جاتا ہے:

(۱) اگر کسی شخص کی عید کی نماز میں ایک رکعت چھوٹ جائے تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد جب وہ شخص اپنی چھوٹی ہوئی رکعت مکمل کرنے کے لئے کھڑا ہو، تو پہلے ثنا، تعوذ وتسمیہ، سورۂ فاتحہ اور سورت پڑھے، پھر زائد تکبیرات کہے، اس کے بعد رکوع سجدہ کر کے بقیہ رکعت پوری کر لے۔ (فتاوی شامی زکریا: ۳/۵۶۔ البحر الرائق کوئٹہ: ۲/۱۶۱۔ بدائع الصنائع زکریا: ۱/۶۲۳، حلبی کبیر: ۵۷۲، حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی: ۵۳۴)

(۲) جو شخص امام کے ساتھ اس حال میں آ کر شریک ہوا کہ امام پہلی رکعت کی زائد تکبیرات کہہ کر قرأت شروع کر چکا تھا، تو یہ شخص تکبیر تحریمہ کہہ کر زائد تکبیرات بھی کہے گا۔ (بدائع الصنائع: ۱/۶۲۲)

(۳) اگر امام کو رکوع میں پایا تو اگر امام کے ساتھ رکوع چھوٹ جانے کا اندیشہ نہ ہو، تو ایسی صورت میں تکبیر تحریمہ کہہ کر کھڑے کھڑے زائد تکبیرات بھی کہے، پھر امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہو جائے۔ (بدائع الصنائع زکریا: ۱/۶۲۲)

(۴) اور اگر امام کو رکوع میں پایا اور رکوع چھوٹ جانے کا خوف ہے تو تکبیر تحریمہ کہے اور پھر رکوع کی تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا جائے، اور رکوع کی حالت میں ہی زائد تکبیرات کہے، اگر رکوع کی حالت میں زائد تکبیرات اور رکوع کی تسبیحات دونوں ادا کر سکتا ہو تو دونوں کو جمع کرے، ورنہ تسبیحات کو چھوڑ کر صرف زائد تکبیرات کہے۔ (بدائع الصنائع: ۱/۶۲۲ زکریا)

(۵) اور اگر رکوع میں تکبیرات پوری ہونے سے پہلے امام نے سر اٹھا لیا تو جتنی تکبیرات باقی رہ گئی ہوں، وہ ساقط ہو جائیں گی، یہ بھی امام صاحب کے ساتھ ساتھ سر اٹھا لے، کیوں کہ امام کی متابعت واجب ہے۔ (حلبی کبیر اشرفی: ۵۷۲۔ فتاوی شامی

زکریا: ۳/۵۶۔ بدائع الصنائع زکریا: ۱/۶۲۲)

عید کی نماز کے بعد دعا کا مسئلہ

عید کی نماز کے بعد دعا کرنا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، حدیث میں ہے کہ دورِ نبوت میں حائضہ اور نفاس والی عورتیں دعاؤں میں شرکت کے لیے عیدگاہ جایا کرتی تھیں۔ (صحیح مسلم: ۱/۲۹۰)

اب یہ دعا نماز کے متصلا بعد کی جائے یا خطبے کے بعد؟ اس سلسلے میں اکثر فقہاء ومفتیان کرام کی رائے یہ ہے کہ دعا نماز کے فوراً بعد خطبے سے پہلے کی جائے۔ اور بعض حضرات نے خطبے کے بعد کی بھی اجازت دی ہے۔ تاہم بہتر یہی ہے کہ خطبے سے قبل نماز کے متصلا بعد دعا کی جائے؛ کیوں کہ اکثر اکابر فقہاء نے عید کی نماز کے با جماعت ادا کئے جانے کی وجہ سے اس کو فرض نماز کے ساتھ مشابہت حاصل ہونے کی بنا پر فرض نماز کے بعد والی دعا پر قیاس کرتے ہوئے عید کی نماز کے متصلا بعد دعا کا استحباب اور خطبے سے فراغت کے بعد دعا نہ ہونے کا حکم بیان فرمایا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ یہ دعا مختصر کی جائے، جیسا کہ ان فرض نمازوں کے بعد مختصر دعا پر اکتفا کرنا چاہیے جن کے بعد سنتیں ہیں؛ کیوں کہ لمبی دعا سے نماز اور خطبہ میں فصل ہوجاتا ہے، جو کہ خلافِ سنت ہے۔ (امداد الفتاوی ۱/۷۰۴۔ امداد المفتین ۴۰۸۔ فتاوی دار العلوم: ۵/۱۸۸۔ فتاوی عثمانی: ۱/۵۹۵)

عید کا خطبہ

عید کا خطبہ پڑھنا مسنون ہے، جو کہ عید کی نماز کے بعد پڑھا جائے گا۔ اور عید کا خطبہ شروع کرنے سے پہلے ۹/ مرتبہ تکبیر تشریق پڑھنا مستحب ہے، جب کہ دوسرے

خطبے کے شروع میں سات مرتبہ تکبیر تشریق پڑھنا مروی ہے۔ (در مختار مع الشامی: ۳/۵۸ زکریا۔ اعلاءالسنن کراچی: ۸/۱۳۲۔ فتاوی هندیه: ۱/۱۵۰)

عید کا خطبہ سننا واجب ہے

عید کا خطبہ سننا واجب ہے، خواہ آواز آئے یا نہ آئے؛ لہٰذا خطبہ ختم ہونے سے پہلے عیدگاہ سے باہر نہ نکلیں۔ (البحر الرائق: ۲/۲۹۵)

تنبیه: آج کل بہت سے لوگ عید کی نماز کے بعد خطبہ سنے بغیر اپنی جگہ سے اٹھ کر چل پڑتے ہیں، امام صاحب خطبہ شروع کرتے ہیں اور یہ باہر نکلنے لگتے ہیں، یہ طریقہ غلط ہے؛ یاد رکھیں! خطبہ سننا واجب ہے، خطبہ سنے بغیر عیدگاہ سے باہر نہ نکلیں۔

عید کی نماز کے بعد مصافحہ اور معانقہ کرنا

مصافحہ اور معانقہ کرنے (ہاتھ ملانے اور گلے ملنے) میں حضورؐ اور صحابہ کرام کا معمول یہ تھا کہ جب آپس میں ملاقات ہوتی تو سلام کرتے اور سلام کے ساتھ مصافحہ کرتے اور جب سفر سے آتے تو معانقہ کرتے (گلے ملتے)۔ اس کے علاوہ مصافحہ اور معانقہ کا کوئی خاص وقت یا دن یا کسی نماز کے بعد یا عید کا موقع مقرر نہ تھا۔ لہٰذا عید کی نماز کے بعد مصافحہ ومعانقہ کرنا امر مسنون نہیں ہے۔ ہاں اگر کسی سے اسی وقت ملاقات ہوئی ہو، یا نماز کے کچھ فصل کے بعد محض ملاقات کی نیت سے مصافحہ یا معانقہ کیا جائے تو کوئی حرج بھی نہیں ہے، جبکہ اس کو لازم نہ سمجھا جائے۔ لیکن آج کل ایسا ماحول بن چکا ہے کہ لوگ اس مصافحے اور معانقے کو ضروری سمجھتے ہیں اور اس کو عید کا حصہ سمجھتے ہیں، نہ کرنے والوں کو بری نظر سے دیکھتے ہیں اور طرح طرح کے گلے شکوے کیے جاتے ہیں؛ ایسا

بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی گھر کے افراد جو ایک ساتھ عید کی نماز کے لیے جاتے ہیں اور ایک دوسرے کے قریب نماز ادا کرتے ہیں، پھر عید گاہ سے نکل کر آپس میں مصافحہ ومعانقہ شروع کر دیتے ہیں، تو اس طرح اگر یہ رسم کے طور پر کیا جائے تو درست نہیں ہے، بلکہ اس سے احتراز ضروری ہے۔

حافظ ابن حجر ہیثمیؒ فرماتے ہیں: جب دو شخصوں کے درمیان ملاقات پائی جائے تو اس وقت دونوں کے لیے سنت ہے کہ وہ ایک دوسرے سے مصافحہ کریں اور جب ملاقات نہ پائی جائے، بایں طور کہ دونوں کسی مجلس وغیرہ میں مل کر بیٹھے تھے اور ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہوئے تھے، تو ایسی صورت میں مصافحہ سنت نہیں ہے، خواہ یہ مصافحہ وہ ہو جو نماز کے بعد کیا جاتا ہے، اگر چہ عید کے دن ہی کیوں نہ ہو، یا درس (وعظ وتقریر) وغیرہ کے بعد ہو۔ (الفتاوی الفقھیۃ الکبری: ۴/۲۴۵)

علامہ عبدالحئی لکھنویؒ فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس مصافحہ کی شریعت میں کوئی اصل اور بنیاد نہیں ہے۔ پھر ان کا اس مصافحہ کے مکروہ اور مباح ہونے میں اختلاف ہے اور معاملہ کراہت اور اباحت کے درمیان دائر ہے تو اس کے ممنوع ہونے کا فتوی دینا مناسب ہے؛ کیوں کہ مضرت کو دور کرنا اولی ہے منفعت کو حاصل کرنے سے، پس مباح کام کرنے سے اولی کیوں کر نہیں ہوگا، باوجودیکہ ہمارے زمانے میں یہ مصافحہ کرنے والے اس مصافحہ کو اچھا کام سمجھتے ہیں اور اس کے منع کرنے والے پر سخت طعن وتشنیع کرتے ہیں اور اس پر سخت اصرار کرتے ہیں؛ اور یہ بات گذر چکی ہے کہ مندوب ومستحب کام پر اصرار کرنا اسے مکروہ کی حد تک پہنچا دیتا ہے، پس ایسی بدعت پر اصرار کرنا کیوں کر درست ہوگا جس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے؟ اور اس کی وجہ سے اس کے مکروہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے؟ اور یہی مکروہ ہونے کا فتوی

دینے والوں کی غرض ہے، باوجود یہ کہ اس مصافحہ کے مکروہ ہونے کو جس نے بھی نقل کیا ہے اس نے متقدمین اور محققین کی عبارات کے حوالے سے نقل کیا ہے، تو صاحب مجمع البرکات، سراج منیر اور مطالب مومنین کی روایات اس کا مقابلہ نہیں کرسکتیں؛ اس لیے کہ ان کتابوں کے مصنفین کا روایات کی تحقیق میں تساہل اختیار کرنا ایک مشہور معاملہ ہے اور ان کا ہر رطب و یابس کو جمع کرنا جمہور کے نزدیک مشہور ہے۔ (السعایہ فی کشف مافی شرح الوقایہ: ۲/۲۶۵)

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: برخلاف عیدین میں مصافحہ کے، کہ یہ عیدین کی جنس سے ثابت نہیں، البتہ صرف ملاقات کے وقت ثابت ہے اور یہ فروق بال سے زیادہ باریک ہیں، ان کی رعایت وہی شخص کرسکتا ہے جو حضورؐ کی سنت کی خوب طلب رکھنے والا ہو۔ اور جہاں تک اس شخص کا تعلق ہے جو خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کو ضلالت وہدایت کے درمیان فرق کی توفیق حاصل نہیں ہوئی تو وہ گمراہ ہے۔ (فیض الباری: ۲/۵۸۴)

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں: عیدین اور جمعہ میں جو لوگ محض رسم جان کر مصافحہ یا معانقہ کیا کرتے ہیں، کہیں ثابت نہیں، اور عیدین اور جمعہ کو کوئی دخل نہیں، اس لیے یہ رسم بدعت ہے، اس کو ترک کردینا چاہیے۔ (خطبات حکیم الامت: ۴/۴۳۱)

حاصل یہ ہے کہ عید کے دن اگر دوست واحباب، رشتہ دار یا کسی عزیز سے اچانک ملاقات ہوجائے تو مصافحہ اور معانقہ کرسکتے ہیں، کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اس کو عید کا عمل، عید کی سنت یا عید کی وجہ سے ثواب سمجھ کر کرنا (جو کہ رسم بن چکا ہے) درست نہیں ہے۔

عید کی مبارک باد دینا

عید کے دن ایک دوسرے کو مبارک باد دینا جائز ہے۔ حضورؐ کے زمانے میں صحابہ کرام عید کی خوشیاں مناتے تھے اور ایک دوسرے کو عید کی مبارک باد دیتے تھے اور اس کے لیے اس طرح کے دعائیہ کلمات وغیرہ کہتے تھے کہ ''اللہ تعالی ہمارے اور تمہارے اعمال قبول فرمائے''، لہٰذا عید کی مبارک باد دینا نہ صرف جائز بلکہ مسنون و مستحب ہے؛ البتہ اس کو واجب اور ضروری نہیں سمجھنا چاہیے۔ اور مبارک باد نہ دینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، نہ دینے والوں کو بھی ملامت کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے۔

حضرت واثلہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے عید کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی، اور ''تَقَبَّلَ اللّٰہُ مِنَّا وَ مِنْکُمْ'' کہا، تو آپؐ نے بھی ''تَقَبَّلَ اللّٰہُ مِنَّا وَ مِنْکُمْ'' فرمایا۔ (السنن الکبری للبیھقي: ۵۸۱۴)

علامہ ابن تیمیہؒ سے سوال کیا گیا: کیا عید کے دن مبارک باد دینا اور وہ الفاظ جو عام طور پر لوگ استعمال کرتے ہیں یعنی عید مبارک اور اس جیسے دوسرے الفاظ، کیا ان کی شریعت میں کوئی اصل ہے یا نہیں؟ اور اگر شریعت میں اس کی کوئی اصل ہے، تو وہ کیا الفاظ ہیں؟ ہمیں اس پر فتوی دیجیے اور ثواب حاصل کیجیے؟ علامہ ابن تیمیہؒ نے اس کا یہ جواب دیا کہ عید کے دن مبارک باد دینا اس طور پر کہ ایک دوسرے سے عید کی نماز کے بعد جب ملاقات کریں تو یوں کہیں کہ اللہ ہماری اور تمہاری طرف سے قبول فرمائے اور اللہ تعالی اس کو آپ کے لیے بہتر کریں اور اس جیسے دوسرے الفاظ، تو یہ صحابہ کرام کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ وہ ایسا کیا کرتے تھے اور اس کی ائمۂ فقہاء مثلاً امام احمدؒ وغیرہ نے اجازت دی ہے؛ لیکن امام احمد نے یہ بھی فرمایا کہ میں کسی کے ساتھ اس کی ابتدا نہیں

کرتا لیکن اگر کوئی میرے ساتھ ابتدا کرتا ہے تو میں اس کا جواب دے دیتا ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سلام کا جواب واجب ہے اور مبارک بادی کی ابتدا کرنا ایسی سنت نہیں ہے جس کا شریعت نے حکم دیا ہو اور نہ وہ ایسی چیز ہے جس سے شریعت نے منع کیا ہو۔ لہٰذا جو شخص اس کو کرتا ہے اس کے لئے بھی دلیل موجود ہے اور جو نہیں کرتا اس کے لیے بھی موجود ہے۔ (الفتاوی الکبری لابن تیمیہ ۲/۳۷۱)

موسوعہ فقہیہ کویتیہ میں ہے کہ مبارک بادی فی الجملہ مستحب ہے، اس لیے کہ یہ برکت میں ایک دوسرے کو شریک کرنا ہے اور ایک مسلمان کی طرف سے اس کے مسلمان بھائی کے لیے اس چیز میں دعا ہے جس چیز سے اسے خوشی حاصل ہو اور وہ جس چیز سے راضی ہو؛ اور ایک وجہ یہ ہے کہ اس میں مسلمانوں کے درمیان محبت ورحمت اور ہمدردی کا پہلو پایا جاتا ہے؛ اور مؤمنین کا ان نعمتوں پر مبارک باد دینا جو وہ جنت میں پائیں گے قرآن کریم میں اللہ تعالی کے اس قول میں مذکور ہے: **كلوا وَاشْرَبُوْا هَنِيْئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْن** (مرسلات: ۴۳) اور مبارک باد ہر اس چیز کے ساتھ ہوتی ہے جو خوشی والی ہو اور نیک بخت ہو، اللہ تعالی کے حکم کے مطابق ہو (گناہ والا کام نہ ہو) اور اسی خوشی والی چیزوں میں سے نکاح کی مبارک باد بھی ہے، اور بچے کی ولادت کی مبارک باد بھی ہے، اسی طرح عید کی مبارک باد، سال اور مہینوں کے آغاز کی مبارک باد، سفر سے آنے کی مبارک باد، حج وعمرے سے آنے کی مبارک باد، کھانے کی مبارک باد اور پریشانی دور ہونے کی مبارک باد بھی ہے؛ جمہور فقہاء کے نزدیک عید کے موقع پر مبارک باد دینا مجموعی طور پر مشروع ہے۔ (موسوعہ فقہیہ کویتیہ: ۱۴/۹۷)

علامہ طحطاویؒ فرماتے ہیں: عید کے دن مبارک باد دینا ان الفاظ میں کہ ''اللہ تعالی ہماری اور آپ کی طرف سے قبول فرمائے'' اس کو ممنوع قرار نہیں دیا جائے گا، بلکہ مستحب

قرار دیا جائے گا۔ (آگے فرماتے ہیں) آدمی کا اپنے ساتھی کو یہ کہنا کہ آپ کو عید مبارک ہو یا اس سے ملتا جلتا لفظ، ان الفاظ کے جائز اور مستحب ہونے میں وہی حکم ہے جو پہلے الفاظ کا گذرا، کیوں کہ دونوں ایک دوسرے کی طرح ہیں۔ (حاشیة الطحطاوی علی المراقی: ۲۸۹)

صاحب غنیۃ المستملی علامہ ابراہیم حلبی فرماتے ہیں: راجح بات یہ ہے کہ عید کی مبارک باد میں کوئی حرج نہیں ہے، کیوں کہ اس بارے میں (بعض صحابہ کرام کا) اثر وروایت موجود ہے۔ (حلبی کبیر: ۵۷۳)

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: عید کے دن اور مہینوں کے آغاز پر مبارک بادی دینا سنت مستحبہ ہے، جیسا کہ ہمارے بعض ائمہ نے اس کا ذکر کیا ہے اور دلیل بھی پیش کی ہے۔ (الفتاوی الکبری لابن تیمیه: ۴/۲۲۵)

صاحب درمختار علامہ حصکفیؒ اور علامہ ابن نجیم مصریؒ فرماتے ہیں: عید کی مبارک باد دینا ان الفاظ میں ”تَقَبَّلَ اللّٰہُ مِنَّا وَ مِنۡکُمۡ“ (اللہ ہمارے اور تمہارے اعمال قبول فرمائے) جائز ہے، کوئی بری چیز نہیں ہے۔ (در مختار مع الشامی زکریا: ۳/۴۹۔ البحر الرائق: ۲/۱۷۱)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عید کی مبارک باد دینا جائز ہے، اس کا ثبوت صحابہ کرام سے ہے، لہٰذا یہ مسنون و مستحب بھی ہے، البتہ اس کو فرض وواجب اور ضروری نہیں سمجھنا چاہیے۔

عیدگاہ میں چندہ کرنا

عیدگاہ میں عید کی نماز سے پہلے یا خطبے کے بعد چندہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، کرسکتے ہیں؛ لیکن خطبے کے دوران چندہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ (رد المحتار: ۳/۳۵)

تنبیہ: بعض جگہ عید کی نماز کے بعد امام صاحب خطبہ کے لیے کھڑے ہوتے ہیں

اور کچھ لوگ چندے کے لیے صفوں کے درمیان کھڑے ہو جاتے ہیں، یہ طریقہ درست نہیں ہے، اس لیے کہ خطبہ سننا واجب ہے اور اس طرح چندہ کرنے سے لوگوں کے ذہن منتشر ہو جاتے ہیں اور خطبہ کی طرف توجہ نہیں رہ پاتی، لہٰذا دورانِ خطبہ چندہ نہ کیا جائے۔

عید اور جمعہ کا ایک دن جمع ہونا

اگر کسی سال عید اور جمعہ ایک دن جمع ہو جائیں تو بعض لوگ اس کو اچھا نہیں سمجھتے اور ان پر بڑا گراں گذرتا ہے، بعض لوگ طرح طرح کی بدفالیاں بھی لیتے ہیں، اس طرح برا سمجھنا اور بدفالی لینا سخت گناہ ہے، عید کے دن کا جمعہ یا کسی اور دن واقع ہونا صرف نظامِ خداوندی کی وجہ سے ہے، بندوں کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے، اللہ ہی کے حکم سے چاند انتیس یا تیس کا ہوتا ہے، جس کی وجہ سے دنوں میں تبدیلی ہوتی ہے اور اللہ کے ہر حکم میں بندوں کے لیے کوئی نہ کوئی مصلحت اور حکمت ضرور ہوتی ہے۔ لہٰذا جب شریعت نے عید اور جمعہ کے ایک دن میں جمع ہونے کو برا نہیں سمجھا ہے تو پھر اس کو معیوب یا برا سمجھنا یا کسی بھی طرح کی بدفالی یا بدشگونی لینا درست نہیں ہے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ اور صحابہ کرام کے دور میں بھی ایسے موقع آئے کہ عید اور جمعہ ایک دن جمع ہوئے، حضورؐ اور صحابہ کرام نے اس کو دو عیدوں کے جمع ہونے والا دن قرار دیا اور عید اور جمعہ کی نماز اپنے اپنے وقتوں پر ادا فرمائی۔ اگر غور کیا جائے تو جمعہ اور عید ایک دن جمع ہونے میں زیادہ خیر معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ ایک تو خود عید کا دن بابرکت ہے، دوسرے جمعہ کا دن بھی بذاتِ خود بابرکت اور ہفتہ بھر کے تمام دنوں کا سردار ہے۔ لہٰذا ایک وقت میں دونوں دنوں کی برکت جمع ہونے میں زیادہ خیر ہے۔

عید کے دن فوتگی والے گھر میں سوگ کا ماحول

اگر کسی گھر میں کسی کا انتقال ہوجائے تو اس کے بعد آنے والی پہلی عید کے موقع پر اس گھر کے افراد خوشی منانا اور اچھے کپڑے پہننا چھوڑ دیتے ہیں، بلکہ زیب وزینت کو معیوب سمجھتے ہیں، اگرچہ عید سے پہلے فوتگی کے بعد انہوں نے مختلف موقعوں پر تقریبات وغیرہ میں شریک ہوکر اچھے لباس پہنے ہوں اور خوشی کا خوب اظہار کیا ہو؛ لیکن عید کا دن جس دن لوگ اللہ کے مہمان ہوتے ہیں اور اس دن میں خوشی کا اظہار، اچھا لباس پہننا اور اللہ کی نعمتوں کا اظہار کرنا اللہ کو پسند اور ثواب کا کام ہے، اس دن یہ لوگ اچھے خاصے سوگوار اور غم زدہ بن کر بیٹھ جاتے ہیں، ایک غم کا ماحول بنایا جاتا ہے، نہ کھانا نہ پینا بلکہ خوب رونا دھونا کیا جاتا ہے۔

یاد رکھیں! غم ایک فطری چیز ہے، لیکن عید کے دن غم منانا درست نہیں ہے، آج کل یہ ایک رسم بن چکی ہے، جس سے احتراز ضروری ہے۔ سوچنے کی بات ہے اگر مردہ اچھی جگہ چلا گیا تو اس کی خوشی اور عید ہم سے بہتر ہے اور اگر بری جگہ چلا گیا تو ہماری عید کی خوشی اور غم سے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ہاں اگر اس وجہ سے غم منایا جائے کہ ہمارا ایک عزیز ہم سے جدا ہوکر چلا گیا تو اس کی بھی صرف تین دن تک اجازت ہے، نہ یہ کہ سالہا سال غم منایا جائے اور عید جیسے خوشی کے دن میں بھی غم کا ماحول بنایا جائے، شریعت اسلامی نے اس کی اجازت نہیں دی ہے۔

عید کے دن فوتگی والے گھر جانا

بعض لوگ پہلی عید کے موقع پر فوتگی والے گھر جانے کو بڑا ضروری سمجھتے ہیں، جس

میں وہاں جا کر تعزیت اور افسوس کا اظہار کرتے ہیں اور رونا دھونا بھی کرتے ہیں، چاہے فوتگی کو کافی عرصہ گذر چکا ہو اور اپنے موقع پر تعزیت کی سنت بھی ادا کی جا چکی ہو۔ یاد رکھیں: اس کا بھی شریعت میں کوئی ثبوت نہیں ہے، تعزیت ایک مرتبہ کرنا سنت ہے اور وہ بھی صرف تین دن تک (الا یہ کہ کوئی مجبوری ہو) اور اس میں بھی افسوس کا اظہار کرنا کوئی ثواب کا کام نہیں ہے، بلکہ تعزیت میں اصل چیز تسلی اور ہمدردی ہے۔ لہٰذا عید کا دن جو کہ اللہ کی طرف سے خوشی کا دن ہے اور اس دن لوگ اللہ کے مہمان ہوتے ہیں، غم دوبالا اور تازہ کر کے عید کی خوشیوں کو غموں میں تبدیل کرنا درست نہیں ہے۔ عید کے دن فوتگی والے گھر جانا یہ ایک رسم بن چکی ہے، جس سے احتراز ضروری ہے؛ ہاں اگر عید کی تقریب کی وجہ سے فوتگی والے گھر جایا جائے تو جا سکتے ہیں، کوئی حرج نہیں ہے، لیکن غم اور تعزیت کی نیت سے جانا درست نہیں ہے۔

عید کے دن بے پردگی و بے حیائی اور منکرات

آج کی جدید دنیا میں فحاشی و بے حیائی اتنی تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہے کہ اس نے مذہبی تہواروں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، چھوٹی چھوٹی تقریبات سے لے کر بڑے بڑے پروگراموں تک یہ وبا عام ہو چکی ہے، حیا اور پردے کا تصور ہی معاشرے سے ختم ہوتا جا رہا ہے، افسوس اس وقت ہوتا ہے جب مذہبی مقامات اور مذہبی تہواروں پر بھی فحاشی و بے حیائیوں کے مظاہرے دیکھنے کو ملتے ہیں، بعض نوجوان عید کے دن ایسے غیر شرعی لباس پہنتے ہیں، چہرے اور بالوں کی ایسی ساخت بناتے ہیں کہ بسا اوقات پہچان ہی نہیں ہو پاتی کہ یہ کس مذہب کا ماننے والا ہے؟ اسی طرح عید کے دن خاص طور پر نعوذ باللہ نئی نئی فلمیں اور گانیں جاری کئے جاتے ہیں، بعض نوجوان فلم ہالوں میں جا کر ان بے حیا

مناظر کے دیکھنے میں اتنے منہمک ہوجاتے ہیں کہ پتہ بھی نہیں رہتا کہ آج اللہ کی مہمان نوازی کا دن ہے۔ اسی طرح عید کے دن بعض خواتین ایسی زیب وزینت اختیار کرتی ہیں جس کی شریعت میں بالکل گنجائش نہیں ہے، بیشک خواتین کے لیے زیب وزینت کا حکم ہے، لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ شریعت کی تمام حدود کو پار کردیا جائے۔ اسی طرح بعض گھروں میں عید کے دن پردہ بالکلیہ ختم کردیا جاتا ہے، یعنی ایسا لگتا ہے جیسے پردے کا حکم آج ختم ہوگیا ہو، وغیرہ۔

عید کا دن خوشی کا دن ہے، اللہ کی طرف سے مہمان نوازی کا دن ہے، اس دن بندہ اللہ کا مہمان ہوتا ہے، لہٰذا اس دن کی قدر کریں، تعلیمات نبویؐ کو سامنے رکھ کر عید کا دن منائیں، غیر شرعی امور سے اجتناب کریں، فحاشی و بے حیائیاں ہر حال میں گناہ اور عظیم معصیت ہیں، عید جیسے مبارک دن میں بے حیائیوں کے مظاہرے کرنا یقیناً سخت گناہ ہے اور اس بات کا ثبوت بھی ہے کہ ہم غیر قوموں کے رسم ورواج سے اتنے متاثر ہو چکے ہیں کہ ہم بھی اپنی مذہبی تقریبات میں وہی سب اعمال کرنے لگے جو غیر مسلم قومیں کرتی ہیں۔ یاد رکھیں! اسلام کی نظر میں فحاشی و بے حیائی ایسا عظیم جرم ہے جس کی وجہ سے انسان رحمت خداوندی سے محروم ہوجاتا ہے اور اخروی اعتبار سے سزا کا مستحق بن جاتا ہے۔

عیدی کا لین دین کرنا

عید کے موقع پر آج کل بعض لوگوں میں نقدی یا کھانے پینے کی چیزوں کی شکل میں ایک دوسرے کے لیے عیدی کا لین دین بھی بہت زیادہ عام ہوگیا ہے۔ اس بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ مروجہ عیدی عید کی سنت یا لازم نہیں ہے، اس کو سنت یا لازم سمجھے بغیر اور دوسری خرابیوں سے بچتے ہوئے صرف دوسروں کی ضرورت کو پیش نظر رکھ کر یا محبت کے

طور پر یا ہدیہ کے طور پر اخلاص کے ساتھ عیدی کا لین دین درست ہے؛ فخر ونمود اور دکھلاوے کے طور پر یا قرض سمجھ کر یا بڑائی ظاہر کرنے کے لئے یا مبادلے کے طور پر عیدی کا لین دین درست نہیں ہے۔ عیدی کی حیثیت ہدیہ اور تحفے کی ہے اور ہدایا وتحائف دینے کا حکم ہے۔ لہٰذا اس نیت سے بچوں، ماتحتوں، اور ملازمین وغیرہ کو عیدی دینا کہ وہ خوش ہوں گے، نہ صرف جائز بلکہ کارِثواب ہے۔

احمد بن عبداللہ العجلی کہتے ہیں: ہم کو یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت حماد بہت زیادہ خرچ کرنے والے تھے، وہ رمضان کے مہینے میں پانچ سولوگوں کو افطار کراتے تھے اور عید کے بعد ان میں سے ہر ایک کو سو درہم دیتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۵/۵۲۹)

عید کے دن صدقہ اور خیرات کرنا

عید کے دن اپنی وسعت وحیثیت کے مطابق مستحقین، غرباء اور مساکین پر صدقہ وخیرات کرنا سنت ومستحب ہے، عید کے دن صدقہ کرنے کی فضیلت آئی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے ایک لمبی حدیث میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز پڑھائی، پھر خطبہ دیا اور اذان واقامت نہیں کہی، پھر صدقے کا حکم فرمایا۔ (صحیح بخاری رقم: ۵۲۳۷۔ سنن ابو داؤد: ۱۱۴۶)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن تشریف لے جاتے تھے، پھر لوگوں کو دو رکعت پڑھاتے تھے، پھر سلام پھیرتے تھے، پھر کھڑے ہو جاتے تھے اور لوگوں کی طرف رخ کر لیتے تھے اور لوگ بیٹھے ہوئے ہوتے تھے، پھر فرماتے تھے کہ صدقہ کرو صدقہ کرو۔ (سنن ابن ماجہ، رقم: ۱۲۸۸)

حضرت ابوسعید خدریؓ کی دوسری روایت میں ہے کہ حضورؐ عید کے دن تشریف لے

جاتے تھے پھر دو رکعت پڑھاتے تھے پھر خطبہ دیتے تھے پھر صدقے کا حکم فرماتے تھے، اور اکثر صدقہ خواتین دیا کرتی تھیں۔ (سنن نسائی: ۱۵۷۹)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ عید کے دن صدقہ کرنا مرد وعورت سب کے لیے سنت ومستحب ہے، حضور عید کے دن صدقہ کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔

یہ بھی واضح رہے کہ ضرورت مند رشتہ داروں اور عزیز واقارب کو صدقہ دینا زیادہ اولی ہے، کیوں کہ اس میں دوہرا ثواب ملے گا، ایک صدقے کا، دوسرے صلہ رحمی کا۔ احادیث میں ضرورت مند رشتہ داروں پر صدقہ کرنے کی زیادہ فضیلت آئی ہے۔ حضرت سلمان بن عامر ضبیؓ کہتے ہیں: میں نے حضورؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: تیرا کسی مسلمان پر صدقہ کرنا ایک صدقہ (کا ثواب رکھتا) ہے۔ اور (وہی) صدقہ کسی رشتہ دار کو دینا دو صدقے (کا ثواب رکھتا) ہے، ایک صدقہ اور (دوسرے) صلہ رحمی۔ (المعجم الکبیر للطبرانی: ۶/۲۷۵)

تکبیر تشریق کا بیان

تکبیر تشریق کے مسائل

ماہِ ذی الحجہ میں ایک خاص حکم تکبیر تشریق پڑھنے کا ہے، اس مہینے کے پانچ ایام میں ہر فرض نماز کے بعد تکبیر تشریق پڑھنا واجب قرار دیا گیا ہے۔ تکبیر تشریق کے الفاظ کہاں سے مروی ہیں؟ اس سلسلے میں محدثین کے یہاں تو کوئی صراحت نہیں ملتی، البتہ فقہی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو اللہ کے حکم سے ذبح کر رہے تھے تو حضرت جبرئیلؑ جنت سے ان کا فدیہ (بدل) لے کر پہنچے، انہوں نے دیکھا کہ کہیں جلدی میں حضرت ابراہیمؑ حضرت اسماعیلؑ کو ذبح نہ کر ڈالیں، چنانچہ جبرئیل امین کی زبان پر یہ کلمات آئے "اللّٰہ أکبر اللّٰہ أکبر" حضرت ابراہیمؑ نے جب حضرت جبرئیلؑ کو دیکھا تو بول پڑے "لاَ إِلٰہ إلاّ اللّٰہ وَ اللّٰہ أکبر" اور جب حضرت اسماعیلؑ کو فدیہ آنے کی خبر ہوئی تو انہوں نے کہا: "اللّٰہ أکبر و للّٰہ الحمد" (در مختار: ۴۹۸۔ عنایه: ۱/۴۶۴۔ البحر الرائق: ۲/۱۶۵)۔

مسئلہ: تکبیر تشریق ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ پڑھنا واجب ہے۔ تکبیر تشریق کے الفاظ یہ ہیں: **اللّٰہ أکبر اللّٰہ أکبر لا إلٰہ إلاّ اللّٰہ وَ اللّٰہ أکبر اللّٰہ أکبر و للّٰہ الحمد۔**

(مصنف ابن ابی شیبه: ۵۶۵۲۔ فتاوی شامی زکریا: ۳/۶۲۔ فتاوی هندیه: ۱/۱۵۲)

مسئلہ: تکبیر تشریق نوی ذی الحجہ کی فجر کی نماز سے تیرہویں ذی الحجہ کی عصر کی نماز تک

ہر فرض نماز کے بعد مردوں کے لیے بلند آواز سے اور عورتوں کے لیے آہستہ آواز سے ایک مرتبہ کہنا واجب ہے۔ (فتاوی شامی زکریا: ۳/۶۴)

مسئلہ: تکبیر تشریق اصلا ایک مرتبہ پڑھنا واجب ہے۔ ''درمختار'' میں ہے اگر کوئی شخص ایک مرتبہ سے زیادہ پڑھ لے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ زیادہ کہنے میں فضیلت اور ثواب ہے، لیکن علامہ شامی نے ''ابوالسعود'' سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ سے زیادہ کہنا خلاف سنت ہے، پس بہتر یہ ہے کہ ایک دفعہ پر اکتفا کیا جائے۔ (درمختار مع الشامی: ۶۲-۳/۶۱)

مسئلہ: تکبیر تشریق مقیم، مسافر، تنہا نماز پڑھنے والا، جماعت سے نماز پڑھنے والے، شہر اور دیہات کے رہنے والے سب پر واجب ہے؛ یہی مفتی بہ قول ہے۔ (درمختار مع الشامی زکریا: ۳/۶۴)

مسئلہ: اگر نماز کے بعد تکبیر تشریق پڑھنا بھول جائے اور کوئی مانع صلاۃ فعل صادر ہوجائے، مثلاً مسجد سے باہر نکل گیا یا سلام پھیرنے کے بعد بات چیت کرلی یا جان بوجھ کر وضو توڑ دیا، تو ان تمام صورتوں میں تکبیر تشریق ساقط ہوجائے گی، لیکن اگر سہواً وضو ٹوٹ جائے تو تکبیر پڑھ لے۔ اور اگر سلام پھیرنے کے بعد تکبیر پڑھنا بھول جائے اور سینہ قبلہ سے پھر جائے، تو اس میں دو روایتیں ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ تکبیر ساقط ہوجائے گی، دوسری روایت یہ ہے کہ تکبیر کہہ لے؛ البتہ اس صورت میں احتیاطاً تکبیر کہہ لینی چاہیے۔ (فتاوی شامی زکریا: ۳/۶۳۔ فتاوی دارالعلوم دیوبند ۵/۲۰۶)

مسئلہ: جس شخص کی رکعت نکل جائے، اس پر بھی تکبیر تشریق پڑھنا واجب ہے، وہ اپنی چھوٹی ہوئی رکعت مکمل کرنے کے بعد پڑھے گا۔ (فتاوی شامی زکریا:

۳/٦۵۔فتاوی هندیه: ۱/۱۵۲)

مسئلہ: تکبیر تشریق پڑھنا عورتوں پر بھی واجب ہے۔اس سلسلے میں عام طور پر بڑی کوتاہی پائی جاتی ہے، بہت سی خواتین کو یہ تکبیر یاد ہی نہیں ہوتی اور بہت سی خواتین یاد ہونے کے باوجود اسے پڑھنے کا اہتمام نہیں کرتیں، یہ بڑی کوتاہی کی بات ہے۔ یاد رکھیں! عورتوں پر بھی نوی ذی الحجہ کی فجر سے تیرہویں ذی الحجہ کی عصر تک ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ تکبیر تشریق پڑھنا واجب ہے، البتہ عورتیں اس کو آہستہ آواز سے پڑھیں گی۔ (فتاوی شامی زکریا: ۳/٦۴۔ فتاوی هندیه: ۱/۱۵۲)

مسئلہ: تکبیر تشریق ہر فرض نماز کے فوراً بعد وقفہ کئے بغیر پڑھی جائے گی، اگر نماز کے بعد بات چیت کر لی یا کوئی منافئ صلاۃ کام کر لیا، تو تکبیر ساقط ہو جاتی ہے، اس کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ (فتاوی شامی: ۲/۱۸۰۔البحر الرائق: ۲/۱۷۸)

مسئلہ: امام اگر تکبیر تشریق پڑھنا بھول جائے تو مقتدیوں کو چاہیے کہ فوراً تکبیر کہیں، یہ انتظار نہ کریں کہ جب امام کہے گا تب ہی کہیں گے۔ (درمختار مع الشامی: ۲/۱۸۰)

مسئلہ: تکبیر تشریق سنت، نفل، وتر اور نماز جنازہ کے بعد پڑھنا واجب نہیں ہے۔ (فتاوی شامی: ۲/۱۷۹)

مسئلہ: عیدالاضحیٰ کی نماز اگرچہ واجب ہے، لیکن چونکہ جماعت سے پڑھی جاتی ہے اور عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر تشریق پڑھنے پر امت کا تعامل بھی چلا آرہا ہے، لہٰذا عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد بھی تکبیر تشریق پڑھی جائے گی۔ (فتاوی شامی: ۲/۱۷۹)

مسئلہ: تکبیر تشریق کی قضا نہیں ہے۔ لہٰذا اگر نماز کے بعد کسی سے یہ تکبیر رہ جائے اور اسے بعد میں یاد آئے تو اب بعد میں نہ پڑھے، کیوں کہ اس کا وقت فرض نماز کے فوراً بعد ہے جو کہ ختم ہو چکا، اب صرف توبہ واستغفار کرے، توبہ کرنے سے اس کا گناہ معاف ہو جائے گا۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۵/ ۱۵۲)

مسئلہ: قضا نمازوں میں تکبیر تشریق پڑھی جائے گی یا نہیں؟ اس سلسلے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر ایام تشریق کے علاوہ دنوں کی چھوٹی ہوئی نماز ایام تشریق میں قضا کی جائے تو تکبیر نہیں پڑھی جائے گی؛ اسی طرح ایام تشریق میں چھوٹی ہوئی نماز ایام تشریق کے علاوہ دنوں میں ادا کی جائے یا اگلے سال کے ایام تشریق میں ادا کی جائے، تب بھی تکبیر نہیں پڑھی جائے گی؛ اور اگر ایام تشریق کی چھوٹی ہوئی نماز اسی سال کے ایام تشریق میں ادا کی جائے تو تکبیر پڑھی جائے گی۔ (فتاوی هندیه: ۱/۱۵۲)

تکبیر تشریق کیوں پڑھی جاتی ہے؟

ذی الحجہ کی ۹ /تاریخ کی فجر سے تیرہویں ذی الحجہ کی عصر تک ہر فرض نماز کے بعد تکبیر تشریق کیوں پڑھی جاتی ہے؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ چونکہ حضورؐ سے اس کا پڑھنا ثابت ہے، اس لیے پڑھی جاتی ہے، چنانچہ امام بیہقی نے حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ حضورؐ یوم عرفہ (نوی ذی الحجہ) کی فجر سے آخر ایام تشریق (۱۳/ ذی الحجہ کی عصر تک تکبیر پڑھا کرتے تھے۔ (سنن بیهقی: ۲۹۴)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ تکبیر تشریق پڑھنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ ہر مشکل اور ہر خوشی کے موقع پر تکبیر پڑھنا سنت سے ثابت ہے، کہ اللہ تعالی کا شکر ادا

کیا جائے اور اس تکبیر میں اللہ تعالی کی ذات کے ہر عیب سے پاک ہونے کا اقرار کرنا مقصود ہے، خصوصاً وہ نامناسب باتیں جن کی نسبت بدبخت یہودیوں نے اللہ کی ذات کی طرف کی ہے۔ (فتح الباری: ۲/۴)

ایک بات یہ بھی ہے کہ جس طرح ان مبارک دنوں میں اللہ کے لاکھوں بندے بے نیاز مولی کے سامنے پرکشش خانہ کعبہ پہنچ کر ایک مخصوص قسم کا لباس (عاجزانہ وخاکسارانہ احرام) پہن کر اپنے آپ کو عاجز، محتاج، طلب گار اور حاجت مند ظاہر کرتے ہوئے اللہ کی بڑائی و کبرایائی بیان کرتے ہیں؛ اسی طرح دنیا کے سارے مسلمان اپنے اپنے مقامات پر رہ کر اپنی عاجزی، کمتری، خاکساری اور محتاجی کا احساس رکھتے ہوئے ان کلمات کو پڑھتے ہیں، تاکہ وہ بھی اپنے رب کی بڑائی بیان کریں اور دل سے یہ فیصلہ کریں کہ اے اللہ! آپ کے برابر اور آپ سے بڑھ کر کوئی ذات نہیں ہے، آپ کی ذات سب سے بڑی ہے، ہم آپ کی بڑائی کا اقرار کرتے ہیں۔

ایام تشریق کے مسائل

گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحجہ کے دنوں کو ایام تشریق کہا جاتا ہے؛ لیکن چونکہ نویں ذی الحجہ سے تیرہویں ذی الحجہ تک پانچ دنوں میں تکبیر تشریق پڑھی جاتی ہے، اس لیے ان پانچوں دنوں کو مجازاً ایام تشریق کہا جاتا ہے۔ (ھدایہ: ۴/۴۳۰) لیکن درحقیقت ایام تشریق تین دن ہیں، ۱۱/ ۱۲/ اور ۱۳ ذی الحجہ۔

مسئلہ: ایام تشریق سال کے ان پانچ دنوں میں سے ہیں جن میں روزہ رکھنے کی ممانعت کی گئی ہے، لہٰذا ان ایام میں روزہ رکھنا یا روزے کی نذر ماننا درست نہیں ہے، کسی کے لیے بھی ان دنوں میں روزہ رکھنے کی اجازت نہیں ہے،

کیوں کہ حدیث کے مطابق یہ کھانے پینے کے دن ہیں۔(البحر الرائق: ۲/۳۱۸۔السنن الکبری للنسائی رقم: ۲۸۴۲)

مسئلہ: ایام تشریق میں نہ روزہ رکھنا جائز ہے اور نہ ان دنوں میں روزہ رکھنے کی نذر ماننا درست ہے؛ لیکن اگر کسی نے ان دنوں میں روزہ رکھنے کی نذر مان لی تو نذر صحیح ہوجائے گی اور روزے رکھنا لازم ہوجائے گا، لیکن ان دنوں میں روزے رکھنا جائز نہیں ہوگا، بلکہ دوسرے دنوں میں ان کی قضا کی جائے گی۔ (البحر الرائق: ۲/۳۱۸۔مرقاۃ المفاتیح: ۴/۱۴۱۷)

مسئلہ: ایام تشریق میں عمرہ کرنا مکروہ ہے۔ یوم عرفہ، یوم النحر اور تشریق کے تین دن، یہ سال کے وہ پانچ دن ہیں جن میں عمرہ کرنا مکروہ ہے۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ عمرہ کرنے کے لئے سارا وقت ہے، سوائے عرفہ، یوم النحر اور ایام تشریق کے۔(بدائع الصنائع: ۲/۲۲۷۔البحر العمیق: ۴/۲۰۰۷)

مسئلہ: اگر کسی نے ایام تشریق میں عمرے کا احرام باندھ لیا تو اس پر ضروری ہے کہ احرام اتار دے، اور عمرے کو ترک کردے، لیکن اس پر احرام اتارنے کی وجہ سے دم لازم آئے گا اور بعد میں اس عمرے کی قضا کرنی ضروری ہوگی؛ اور اگر اس نے احرام نہیں اتارا اور اسی احرام ہی کی حالت میں عمرہ کرلیا تو کراہت کے ساتھ عمرہ ادا ہوجائے گا اور اس کی قضا نہیں ہوگی۔(الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ: ۷/۳۲۲)

قربانی کا بیان

قربانی کی لفظی اور اصطلاحی تعریف

ماہِ ذی الحجہ میں جو احکامات امتِ مسلمہ کو دیے گئے ہیں ان میں ایک خاص اور اہم حکم قربانی کا ہے، قربانی ایک اہم عبادت ہے، جو شعائرِ اسلام میں سے ہے۔ قربانی اصل میں لفظ ''قربان'' سے ماخوذ ہے، چنانچہ صراح میں لکھا ہے، ''**قربان بالضم وهو ما يتقرب به إلى الله تعالى يقال قربت لله قربانًا**'' یعنی قربان ہر اس چیز کو کہتے ہیں کہ جس کے ساتھ انسان خدا تعالیٰ کا قرب ڈھونڈتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں: ''**قربت لله قرباناً**'' (میں نے اللہ کے لئے قربانی دی)۔ عرف میں قربانی کے معنی ''**نسكية**'' یعنی ذبیحہ کے آتے ہیں۔ (مفردات القرآن: ٦٤٤)

عیدالاضحیٰ کے موقع پر جو جانور ذبح کیے جاتے ہیں ان کو ذبح کر کے بھی انسان قربِ الٰہی کا طالب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی طلب کرتا ہے، اس لیے اس فعل کا نام بھی قربانی ہوا۔ عرفِ عام میں قربانی کا لفظ زیادہ تر اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے، یعنی قربانی سے مراد وہ جانور ہوتا ہے جو رضائے الٰہی کے لیے عیدالاضحیٰ کے موقع پر ذبح کیا جاتا ہے اور جس عمل سے انسان اللہ تعالیٰ کے قرب کا طلب گار ہوتا ہے، جو اس بات کا سبق بھی ہوتا ہے کہ ہر صحیح مقصد تک پہنچنے کے لیے قربانی شرطِ اولیں ہے۔

قربانی کی حقیقت

قربانی ایک چھ بے جان حروف کا مجموعہ ہے، مگر اس مجموعے پر جب غور کیا جاتا ہے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں کتنی مشقتوں سے گذرنا پڑتا ہے، یہ بظاہر بہت دشوار گذار گھاٹی ہے، مگر حیات جاودانی کا پیغام اپنے اندر رکھتی ہے۔ یہ عبادات مالیہ میں سے ایک عظیم عبادت ہے، جو صاحب استطاعت افراد پر ہر سال مخصوص ایام اور اوقات میں واجب ہے۔ یہ درحقیقت رب کریم کے پیارے خلیل حضرت ابراہیمؑ کی اس عظیم قربانی کی یاد ہے جب آپ نے عالم خواب میں قربانی کا حکم پاکر اپنی جان سے عزیز لخت جگر حضرت اسماعیلؑ کے پھول کی پتی سے نازک اور ریشم سے زیادہ نرم گلے پر اپنے رب کے حکم کی تعمیل میں چھری رکھ دی تھی اور اس قربانی کے ذریعے رضائے الٰہی کے ساتھ فرشتوں کو بھی ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا اور یہ واضح کر دیا تھا کہ ابراہیم کا دل اپنے رب کے سوا کسی کا مسکن نہیں ہے، وہ محبت الٰہی سے معمور ہے، کسی اور کی محبت اس پر غالب نہیں ہے، اس کے تمام تر جذبات محبت خداوندی کے تابع اور عشق الٰہی سے معمور ہیں۔

قربانی کی ابتدا اور پس منظر

قربانی ایک اہم ترین عبادت ہے، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ جب ملک شام جا پہنچے، تو آپ نے بارگاہِ ایزدی میں دعا کی کہ اے میرے رب! مجھے ایک نیک فرزند عطا فرما؛ اللہ تبارک وتعالی نے ابراہیمؑ کی یہ دعا قبول فرمائی اور ایک حلیم المزاج فرزند حضرت اسماعیلؑ کی شکل میں عطا فرمایا۔ پھر

جب ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو اپنا مسکن بنایا اور حضرت اسماعیل بھی چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے، تو ایک دن حضرت ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا کہ میں اس لختِ جگر کو اللہ کے حکم سے ذبح کر رہا ہوں، آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ یہ حکم خداوندی ہے، کیونکہ انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ اس حکم کی تعمیل پر آمادہ ہوئے اور حضرت اسماعیلؑ سے کہا کہ اے میرے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو اللہ کے حکم سے ذبح کر رہا ہوں، سو تمہاری اس سلسلے میں کیا رائے ہے؟ حضرت اسماعیلؑ نے کہا کہ ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے، آپ اسے بلا تامل پورا کیجیے، ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔

الغرض جب دونوں نے خدا کے حکم کو تسلیم کر لیا اور باپ نے بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے کروٹ پر لٹا دیا اور چاہتے تھے کہ ان کو ذبح کر ڈالیں، فوراً حکم خداوندی نازل ہوا کہ اے ابراہیم! تم نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا، اب اس لخت جگر کو چھوڑ دو؛ پھر اللہ تبارک وتعالی نے ایک ''دنبہ'' بھیجا اور اس دنبہ کو حضرت اسماعیلؑ کی جگہ پر ذبح کیا گیا۔ یہ قربانی کی ابتدا ہے، جو کہ حضرت ابراہیمؑ کی سنت ہے اور یہ سنت ابراہیمی آج تک پوری دنیا میں جاری اور ساری ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، تفسیر قرطبی، روح المعانی)

قربانی ایک عظیم عشقیہ عبادت ہے

ذرا ایک مہربان باپ کا تصور کیجیے! جو اولاد سے محروم ہو پھر بڑی تمناؤں اور آرزوؤں کے بعد اسے عالم پیری میں اولاد کا سہارا حاصل ہوا اور وہ انتہائی محبت اور بے حد قلبی تعلق کے ساتھ اپنے خون جگر سے اس کی پرورش کرے، اسی کو اپنی زندگی کا واحد سہارا اور عصائے پیری خیال کرے، یہاں تک کہ وہ لخت جگر جوان ہو جائے اور باپ کی

آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سرور بن جائے، گویا کہ زندگی کی ساری تمنائیں اس پر مرکوز ہو جائیں، پھر اچانک اس امیدوں کے چراغ کو گل کرنے کا حکم پہنچے اور یہ صدائے الٰہی آئے کہ اے ابراہیم! میری رضا کے لیے اپنے اس بچے کو قربان کر دو، پھر وہ اللہ کا نبی اس حکم کی تعمیل میں ذرہ برابر بھی پس وپیش نہ کرے اور اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے نونہال کو ذبح کرنے کے لیے تیار ہو جائے، صرف اس لیے کہ یہ اللہ کا حکم ہے، یہ یقیناً اللہ سے سچی محبت اور عشق الٰہی کی واضح دلیل ہے۔

اس خالق و مالک کو اپنے مخلص بندے کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ اس نے اس سنت ابراہیمیؑ کو ہمیشہ کے لیے باقی رکھا، قیامت تک کے لیے مسلمانوں کو اس عظیم قربانی کا پابند بنا دیا اور جانور کی قربانی کو اولاد کی قربانی کا درجہ عطا فرما دیا۔ دراصل یہ قربانی ایک جانور کی قربانی نہیں اور نہ ہی اللہ پر کوئی احسان ہے، بلکہ یہ ایک عظیم عشقیہ عبادت ہے، جو درحقیقت اللہ سے سچی محبت اور اس کی رضا کے سامنے ہر چیز کو حقیر سمجھنے اور دنیا کی بڑی سے بڑی دولت کو ٹھکرا دینے کا سبق ہے۔

اسلام میں قربانی

دنیا میں پرانی قوموں سے یہ دستور چلا آ رہا تھا کہ جانوروں کے ذبح کرنے کو تقرب کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا، جس کے مختلف طور وطریقے تھے، حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے ذریعے اللہ کی رضا جوئی کی خاطر جنتی مینڈھے کی قربانی کرا کر اس دستور کو صحیح رخ دے دیا گیا۔ نبی علیہ السلام جب دنیا میں تشریف لائے تو اسلام کے اندر بھی یہ طریقہ نہ صرف مشروع ہوا بلکہ مطلوب ومحمود قرار پایا۔ قرآن وحدیث میں قربانی کی بہت زیادہ تاکید کی گئی اور وسعت کے باوجود قربانی نہ کرنے والوں کو سخت تنبیہ کی گئی اور وعید

کے الفاظ وارد ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا میں تشریف لائے تو اللہ تعالی نے قربانی کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: **فصل لربک وانحر** (سورہ کوثر) کہ آپ اپنے رب کے نام سے جانور ذبح کیجیے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس، عطاء، مجاہد، عکرمہ، حسن بصری، قتادہ، محمد بن کعب قرظی اور ضحاک رحمہم اللہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ: مشرکین عرب غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرتے تھے، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ آپ اپنے رب کے نام پر جانور ذبح کریں۔ (تفسیر ابن کثیر ۴/۲۴۷۔ تفسیر رازی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیاتِ طیبہ میں مسلسل قربانی کرتے رہے اور صحابہ کرام کو بھی اس کی عظمت واہمیت سے آگاہ فرماتے رہے؛ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: **أَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِیْنَۃِ عَشَرَ سِنِیْنَ یُضَحِّي** (جامع الترمذی: ۱/۴۰۹) کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے میں دس سال قیام فرمایا (اس قیام کے دوران) آپ قربانی کرتے رہے۔

لہٰذا امت مسلمہ کے لیے قربانی دینا سنت ابراہیمی بھی ہے اور سنت مصطفی بھی ہے۔

قربانی کی فضیلت اور حکم

احادیث میں قربانی کے بڑے فضائل وارد ہوئے ہیں، ایک حدیث میں ہے، حضرت زید بن ارقمؓ فرماتے ہیں: حضرات صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: تمہارے باپ حضرت ابراہیمؑ کی سنت ہے، صحابہ نے عرض کیا کہ اس میں ہم کو کیا ملے گا؟ فرمایا: ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی ملے گی۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۱۱۸)

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قربانی کے دنوں میں انسان کا کوئی عمل اللہ تعالی کو قربانی سے زیادہ محبوب نہیں ہے اور وہ آدمی قیامت کے دن اس جانور کی سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالی کے نزدیک مقبول ہوجاتا ہے؛ پس اے اللہ کے بندو! پوری خوش دلی کے ساتھ قربانی کیا کرو۔ (جامع ترمذی: ۱۴۱۳)

حضرت حسین بن علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس طرح قربانی کرے کہ اس کا دل خوش ہو اور وہ اپنی قربانی میں ثواب کی نیت رکھتا ہو تو وہ قربانی اس شخص کے لیے دوزخ سے آڑ ہوجائے گی۔ (المعجم الکبیر للطبرانی)

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک قربانی واجب ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالی نے قربانی کا حکم دیا ہے اور احادیث میں قربانی کی بہت زیادہ تاکید آئی ہے اور وسعت کے باوجود قربانی نہ کرنے والوں کے لیے سخت وعید وارد ہوئی ہے۔

قربانی نہ کرنے والوں کے لیے سخت وعید

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے پاس قربانی کی وسعت ہو (صاحب نصاب ہو) اور وہ قربانی نہ کرے، تو وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔ (سنن ابن ماجہ ۳۱۱۴، الترغیب والترھیب: ۲/۱۰۳)

دیکھیے! پیغمبر علیہ السلام نے وسعت کے باوجود قربانی نہ کرنے والوں کے لیے کس قدر ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے۔ لہذا قربانی کے سلسلہ میں ذرہ برابر بھی غفلت نہ برتیں۔ صاحب حیثیت حضرات ہر حال میں قربانی کریں۔

قربانی کا مقصد

قربانی کا عمل دیکھ کر بظاہر لگتا ہے کہ قربانی اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ اس کا گوشت کھایا جائے اور اس سے فائدہ اٹھایا جائے، لیکن قربانی کا مقصد نہ تو گوشت ہے اور نہ خون اور نہ ہی کوئی دنیوی نفع، بلکہ قربانی کا مقصود قربانی کرنے والے کا اخلاص اور تقوی ہے؛ جس طرح روزے میں بھوکا رہنا مقصود نہیں، نماز میں اٹھنا بیٹھنا مقصود نہیں، بلکہ اخلاص وللّٰہیت، خشوع وخضوع، تقوی اور اللہ کی محبت مطلوب ہوتی ہے؛ اسی طرح قربانی کا مقصد بھی یہی ہے کہ بندہ اللہ کے حکم کو دلی اخلاص کے ساتھ بجالائے، اسی حقیقت کو قرآن کریم کی اس آیت میں واضح کیا گیا ہے: **لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ** (سورہ حج: ۳۷) یعنی اللہ کے پاس نہ قربانی کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون، بلکہ وہ تو تمہارے تقوی کو دیکھتا ہے؛ کہ کون ہمارے حکم کے سامنے اخلاص کے ساتھ سر تسلیم خم کرتا ہے؟ اور کس کے دل میں کتنا خوف الٰہی اور تقوی موجود ہے؟ اطاعت وفرماں برداری کے کتنے جذبات موجزن ہیں؟ لہذا اگر کوئی صرف گوشت یا چرم کو مقصود بنا کر قربانی کرتا ہے، تو اس کی قربانی بے فائدہ ہے، اور اس کی مثال اس انسانی جسم کی سی ہے، جس میں سے روح نکل گئی ہو، جس کا کوئی فائدہ ہی نہیں ہے۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ قربانی میں قربت وعبادت کی نیت کرنا ضروری ہے، حتی کہ اگر کسی نے صرف گوشت کھانے کی نیت سے قربانی کی تو اس کی قربانی درست نہیں ہوگی، اور بڑے جانور میں کسی بھی شریک کی نیت صرف گوشت کھانے کی ہے تو اس جانور میں شریک سب لوگوں کی قربانی درست نہیں ہوگی۔ (ردالمحتار زکریا: ۹/ ۴۷۲۔ فتاوی تاتارخانیۃ ۱۷/ ۴۵۰)

جانور قربان کرنے کی حکمت

امت مسلمہ کو قربانی کرنے کا حکم ملتِ ابراہیمی کا اتباع اور حضرت ابراہیمؑ کی بے مثال سنت کو اپنانے کی وجہ سے دیا گیا ہے، حضرت ابراہیمؑ نے چونکہ بیٹے کی قربانی دی تھی اس لیے اصل عمل تو یہی تھا کہ امت مسلمہ کا ہر فرد بھی بیٹے کی قربانی دیتا، لیکن امت مسلمہ کو اس کی جگہ جانور کی قربانی دینے کا حکم ہے۔ بظاہر یہی حکمت سمجھ میں آتی ہے کہ اول تو بہت سے لوگوں کے پاس بیٹا ہوتا ہی نہیں، دوسرے یہ کہ اگر بیٹے کا حکم ہوتا تو بہت کم لوگ ایسے نکلتے جو یہ عمل انجام دیتے؛ لہٰذا حق تعالیٰ کا یہ بڑا فضل اور احسان ہے کہ اس نے جانور کو بیٹے کے قربان کرنے کے قائم مقام قرار دیا، یعنی امت مسلمہ کو جانور قربان کرنے میں وہی اجر وثواب ملے گا جو ابراہیمؑ کو بیٹا قربان کرنے میں ملا تھا، اس سے قربانی کی عظمت واہمیت بھی آشکارا ہو جاتی ہے۔ (مستفاد: ترغیب الاضحیۃ ۱۲۸)

ملتِ ابراہیمی کی اتباع کا حکم کیوں؟

حضورؐ کی شریعت تمام ملتوں اور ادیان ومذاہب کو منسوخ کرنے والی ہے، یہ آخری شریعت اور آخری قانون خداوندی ہے، اب کوئی نئی شریعت قیامت تک دنیا میں آنے والی نہیں ہے، اسی لیے اس شریعت نے پہلی تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے؛ لیکن پھر بھی امت محمدیہ کو ملت ابراہیمی کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ملت ابراہیمی کی اتباع کا حکم اس حیثیت سے نہیں ہے کہ وہ ملت ابراہیم ہے، بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت ہی ہے اور ملت ابراہیمی بھی اسی کا ایک لقب ہے اور یہ لقب اس لیے ہے کہ یہ دونوں ملتیں (ملت ابراہیم، ملت محمدیہؐ) آپس میں اصولاً

اور فروعاً متناسب ہیں، یعنی دونوں ملتوں کے بہت سے احکام ایک ہی طرح کے ہیں، اسی وجہ سے یہ نہیں فرمایا کہ "**اتبعوا إبراهيم**" ابراہیمؑ کا اتباع کرو۔ بلکہ "**اتبعوا ملة ابراهيم**" فرمایا، یعنی ابراہیمؑ کی ملت کا اتباع کرو۔

الغرض! حضورؐ کو حضرت ابراہیمؑ سے بہت قرب ہے، نسب کے اعتبار سے بھی اور شریعت کے اعتبار سے بھی، نسب کے اعتبار سے تو ظاہر ہے کہ حضورؐ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے ہیں اور شریعت کے اعتبار سے اس لیے کہ حضورؐ کی شریعت حضرت ابراہیمؑ کی شریعت سے بہت ملتی جلتی ہے، اصول میں بھی اور فروع میں بھی؛ اسی لیے "**اتبعوا ملة إبراهيم**" فرمایا گیا کہ ملت ابراہیم کا اتباع کرو۔ (ترغیب الاضحیۃ ۱۲۰)

قربانی اور مادہ پرستی

آج ہم ایسے دور سے گذر رہے ہیں اور ایسے ماحول میں سانس لے رہے ہیں جہاں دین کے بنیادی ستونوں پر بھی خوب طعنہ زنی کی جاتی ہے، کچھ لوگوں نے تو دین کو بدنام کرنے اور دینی احکامات پر چہ می گوئیاں کرنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے؛ کہنے والے یہاں تک کہتے ہیں کہ قربانی ایک بے فائدہ کام اور دولت کا ضیاع ہے، (نعوذ باللہ) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس قربانی کی وجہ سے قوم کا لاکھوں کروڑوں روپیہ پانی کی طرح نالیوں میں بہہ جاتا ہے۔ یہ ذہنیت دین بیزاری اور مادہ پرستی کی دین ہے، لوگ مادہ پرستی سے متأثر ہوکر دینی احکامات پر بھی موشگافیاں کرنے لگے ہیں، ہزاروں کروڑوں روپیہ بے فائدہ اور لایعنی کاموں میں خرچ کردیتے ہیں، اس پر کوئی افسوس نہیں؛ اور جب دینی احکام کی باری آتی ہے تو حساب لگانے شروع کردیے جاتے ہیں، جہاں بے شمار فوائد اور ثواب وثمرات ہیں وہاں مال کے خرچ کرنے پر افسوس؟ اور بے فائدہ لایعنی کاموں میں بغیر

حساب کے پیسہ خرچ کیا جاتا ہے؛ یہی ذہنیت لوگوں کو دین بیزار اور مغرب پرست بنا رہی ہے۔

یادرکھیں! مال ودولت اللہ رب العالمین کا دیا ہوا ہے، وہ جب چاہے گا دے گا اور جب چاہے گا لے لے گا، وہ اپنے دیے ہوئے مال کا حساب بھی ضرور لے گا؛ لہٰذا جہاں ہمیں مال خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، وہاں بخوشی مال خرچ کریں، خواہ قربانی ہو یا دیگر کوئی دینی کام۔ یہ عجیب بات ہے کہ لوگ پورے سال کھاتے کماتے ہیں اور اللہ تعالی اپنی شان رزاقی کے مطابق پورے سال خوب رزق دیتے ہیں اور جب اس کی راہ میں خرچ کرنے کی باری آتی ہے، مثلا سال میں صرف ایک مرتبہ قربانی واجب ہوتی ہے، جوکہ معمولی پیسوں میں بھی ادا ہوجاتی ہے، وہ بھی لوگوں پر بڑی گراں گذرتی ہے؛ اور بعض لوگ تو اس سے بچنے کے لیے طرح طرح کے حیلے اور بہانے کرتے ہیں، جبکہ اس قربانی پر بے شمار ثواب مرتب ہوتا ہے، لیکن ہم ثواب کونہیں دیکھتے بلکہ معمولی پیسوں کو دیکھتے ہیں، ہمیں اس ذہنیت کو ختم کرنے کی ضرورت ہے، احکامات خداوندی کے سامنے اخلاص کے ساتھ سرِ تسلیم خم کرنا چاہیے، اسی میں ہماری کامیابی اور کامرانی مضمر ہے۔

اللہ ہمارا خالق ومالک ہے، وہ جس وقت جو چاہے حکم دے، اس کا کوئی حکم یا کسی چیز سے روکنا حکمت سے خالی نہیں ہے، بندوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس کے بتائے ہوئے کسی بھی حکم میں کسی علت اور وجہ کا مطالبہ کریں، اس نے اپنے سامنے ہمیں جھکنے کا حکم دیا ہے، ہمارے ذمے اس کی اطاعت لازم ہے، اس نے ہمیں روزے میں جائز اور حلال چیزوں کے کھانے سے روکا ہے، ہمارے لیے رکنے میں ہی خیر ہے، اس نے ہمیں اپنے پسندیدہ اور عمدہ مال میں سے اپنے دربار میں قربانی پیش کرنے اور خون بہانے کا حکم دیا ہے، ہمیں دل وجان سے اس حکم کو قبول کرنا ہے اور اس کی رضا وخوشنودی کے لیے اسے

عملی جامہ پہنانا ہے۔

قربانی کا سبق اور پیغام

ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہوتے ہی قربانی کی یاد تازہ ہوجاتی ہے اور ۱۰ / ذی الحجہ کو تاریخ کا اہم ترین واقعہ پوری اسلامی دنیا میں دوہرایا جاتا ہے، ہر صاحب نصاب مرد وعورت پر قربانی واجب ہوتی ہے اور وہ قربانی کر کے اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اس نے حکم خداوندی کے سامنے سر اطاعت خم کردیا ہے، وہ سنت ابراہیمی کا پوری طرح متبع ہے۔لیکن اس اتباع کا مطالبہ صرف خون بہانے اور جانور ذبح کردینے سے نہیں ہوسکتا جب تک کہ ہم اپنی زندگی کے ہر ہر لمحے کو اسوۂ ابراہیمی کا پابند نہ بنائیں، ایثار وقربانی انسان کی معراج رفعت ہے، جو انسان کو بلندیوں تک پہنچاتی ہے، اس کے بغیر انسان کو معتبریت حاصل نہیں ہوتی؛ آج کا انسان ذرا سی سختی سے گھبرا اٹھتا ہے، امتحان کے عمل سے حیران و پریشان ہوجاتا ہے، اگر ہم سنت ابراہیمی پر غور کریں تو اس سے بڑھ کر انسانی تاریخ میں ایثار وقربانی اور صبر وتحمل کی کوئی دوسری مثال نظر نہیں آتی۔

آج ہم تاریخ عالم کے جس انوکھے واقعے کی یادگار منار ہے ہیں اس کے لیے قطعاً یہ کافی اور مناسب نہیں ہے کہ راہِ خدا میں متعینہ جانوروں میں سے کسی ایک کو ذبح کر کے یہ سمجھ لیا جائے کہ ہم نے اس سنت ابراہیمی کو ادا کردیا جس کا دین حنیف کے داعی حضرت ابراہیمؑ کو حکم ہوا تھا اور انہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے بیٹے کو قربان کرنے کے لیے اس کے گلے پر چھری رکھ دی تھی، اگر ہمارا یہی خیال ہے تو ہم نے قربانی اور اس عظیم سنت کو سمجھا ہی نہیں ہے۔ دراصل یہ قربانی یادگار ہے حضرت ابراہیمؑ کی خشیت الٰہی اور جذبۂ اطاعت خداوندی کی، یہ قربانی یاددلاتی ہے حضرت اسماعیلؑ کے راہِ خدا میں قربان ہونے

کے ولولے، عزم اور حوصلے کی۔ اگر ہمارے دل خشیت الٰہی سے معمور نہیں ہیں، اگر ہم اطاعت خداوندی کا وہ جذبہ نہیں رکھتے جو حضرت ابراہیمؑ کے دل میں تھا اور ہم اپنے اندر وہ بصیرت پیدا نہیں کر سکتے جس سے ہم خواب کے اشاروں کو سمجھ سکیں تو پھر ہماری یہ قربانی محض نمود و نمائش ہے۔ قربانی ہمیں یہ سبق اور پیغام دیتی ہے کہ ہم اللہ کے حکم کے سامنے اس کی رضا اور خوشنودی کے لیے اپنی تمام خواہشات، جذبات اور تمام احساسات کو قربان کر دیں۔

قربانی کے وقت کے متعلق مسائل

مسئلہ: قربانی کے تین دن ہیں، یعنی ۱۰-۱۱-اور ۱۲ ذی الحجہ؛ اس سے پہلے یا بعد میں قربانی معتبر نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع: ۴/۱۹۸، زکریا دیوبند)

مسئلہ: ۱۰/ ذی الحجہ کو قربانی کرنا سب سے افضل ہے، اس کے بعد گیارہویں تاریخ اور پھر بارہویں تاریخ کا درجہ ہے۔ (فتاوی شامی زکریا: ۹/۴۵۸، مجمع الانہر: ۴/۱۷۰)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قربانی کے دن دس ذی الحجہ اور اس کے بعد کے دو دن ہیں، البتہ یوم النحر یعنی دس ذی الحجہ کو قربانی کرنا افضل ہے۔ (احکام القرآن للطحاوی: ۲/۲۰۵)

مسئلہ: ایام قربانی میں قربانی دن میں ہی کرنی چاہیے، البتہ رات میں قربانی کرنا بھی بکراہت معتبر ہے۔ لیکن اگر روشنی وغیرہ کا اچھا انتظام ہو، تاکہ اندھیرے کی وجہ سے ذبح میں کمی نہ رہ جائے، تو پھر بلا کراہت درست ہے۔ (فتاوی شامی زکریا: ۹/۴۶۳، مجمع الانہر: ۴/۱۷۰، بدائع الصنائع: ۴/۲۲۳)

مَسْئَلہ: بارہویں ذی الحجہ میں سورج ڈوبنے سے پہلے پہلے قربانی کرنا درست ہے، جب سورج ڈوب جائے تو قربانی درست نہیں ہوگی۔ (بدائع الصنائع: ۴/ ۱۹۸)

مَسْئَلہ: قربانی کا اصل وقت ۱۰ / ذی الحجہ کی صبح صادق سے شروع ہوکر ۱۲ / ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک رہتا ہے؛ لیکن شہر اور قصبے اور ایسی بڑی آبادیاں جہاں عید کی نماز ہوتی ہو وہاں صبح صادق کے بعد عید کی نماز سے پہلے قربانی کرنا درست نہیں ہے، بلکہ عید کی نماز کے بعد ہی قربانی درست ہوگی۔ البتہ جہاں عید کی نماز نہ ہوتی ہو، جیسے چھوٹے گاؤں اور دیہات، تو وہاں صبح صادق کے بعد بھی قربانی کرنا درست ہے۔ (ملتقی الابحر: ۴/۱۴۹، در مختار مع الشامی ۹/۴٦۰)

مَسْئَلہ: اگر کسی نے عید کی نماز کے بعد خطبے سے پہلے قربانی کی تو قربانی درست ہوجائے گی، لیکن ایسا کرنا بہتر نہیں ہے، افضل یہ ہے کہ خطبے کے بعد ہی قربانی کی جائے۔ (فتاوی شامی زکریا: ۹/۴٦۱، فتاوی ھندیہ: ۵/۲۹۵)

مَسْئَلہ: اگر کسی شہر میں عید الاضحیٰ کی نماز کئی جگہ پر ہوتی ہو تو اگر کسی ایک جگہ پر بھی نماز پڑھ لی جائے تو پورے شہر والوں کے لیے قربانی کرنا درست ہوجائے گا، اس میں عیدگاہ یا جامع مسجد وغیرہ کی بھی کوئی قید نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع: ۴/۲۱۱، فتاوی تاتارخانیہ: ۱۷/۴۱۹، مجمع الانھر: ۴/۱۷۰)

قربانی کس پر واجب ہے؟

جو شخص آزاد ہو، مسلمان ہو، عاقل ہو، بالغ ہو، مقیم ہو اور ایام قربانی میں نصاب کے بقدر مال کا مالک ہو تو اس پر قربانی واجب ہے۔ غلام، غیر مسلم، مجنون، نابالغ، مسافر اور جو

صاحب نصاب نہ ہواس پر قربانی واجب نہیں ہے۔(فتاوی شامی زکریا: ۴۵۲/۹، مجمع الانہر ۱۶۶/۴، بدائع الصنائع: ۱۹۵/۴)

نوٹ: قربانی واجب ہونے کے لیے آخری وقت کا بھی اعتبار ہے، یعنی اگر کوئی شخص قربانی کے اول وقت میں قربانی کا اہل نہیں تھا اور آخر وقت میں اہل ہو گیا تو اس پر قربانی واجب قرار پائے گی، مثلاً: غیر مسلم یا مرتد شخص آخر وقت میں مسلمان ہو گیا یا غلام آزاد ہو گیا یا مسافر مقیم ہو گیا یا فقیر نصاب کا مالک ہو گیا یا نابالغ بالغ ہو گیا یا مجنون عقل مند ہو گیا، تو ان سب صورتوں میں اس پر قربانی واجب ہوگی اور اگر اس کے برعکس ہوا تو قربانی واجب نہیں ہوگی۔(فتاوی هندیه: ۲۹۳/۵)

قربانی کا نصاب

جس مرد یا عورت کی ملکیت میں ساڑھے سات تولہ سونا (۸۷/گرام ۴۸۰ ملی گرام) یا ساڑھے باون تولہ چاندی (۶۱۲/گرام ۳۶۰ ملی گرام) ہو، یا نقدی مال یا تجارت کا سامان یا ضرورت سے زائد سامان میں سے کوئی ایک مال یا ان تمام چیزوں یا بعض چیزوں کا مجموعہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو، تو ایسے مرد اور عورت پر قربانی کرنا واجب ہے۔(الجوهرة النيرة: ۱/۱۰۷)

یاد رہے کہ وہ چیزیں جو ضرورت کی نہ ہوں بلکہ محض نمود ونمائش کی ہوں یا گھروں میں رکھی ہوئی ہوں اور پورا سال استعمال میں نہ آتی ہوں تو وہ بھی قربانی کے نصاب میں شامل ہوں گی۔(بدائع الصنائع: ۲/۱۵۸۔ رد المحتار: ۳/۳۴۶)

عورتوں پر قربانی

اکثر عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ قربانی کا تعلق صرف مردوں سے ہے، عورتوں سے نہیں، یہ بات سراسر غلط ہے۔ اگر کوئی عورت نصاب کے بقدر مال کی مالک ہے، تو اس پر بھی قربانی واجب ہے اور اس کا ادا کرنا خود عورت کی ذمہ داری ہے۔ ہاں اگر شوہر اس کی طرف سے کردے، تب بھی ادا ہو جائے گی۔ (فتاوی شامی: ۹/۴۵۳)

جیل میں قید شخص پر قربانی

اگر کوئی شخص جیل میں قید ہے اور وہ مقیم ہے اور صاحب نصاب بھی ہے تو اس پر قربانی کے دنوں میں قربانی کرنا واجب ہے۔ چاہے جیل میں کرے یا جیل سے باہر کسی دوسری جگہ پر کسی کو کہہ کر کرادے۔ (فتاوی شامی: ۹/۴۵۳)

مقروض آدمی پر قربانی

اگر کسی آدمی کے پاس نصاب کے بقدر یا اس سے زیادہ مال ہے، لیکن اس کے اوپر قرض بھی ہے، تو اگر قرض نکالنے کے بعد اتنا مال بچ جائے جو نصاب کے بقدر ہو، تو اس پر قربانی واجب ہے۔ اور اگر قرض نکالنے کے بعد نصاب سے کم مال بچ رہا ہے، تو اس پر قربانی واجب نہیں ہے۔ (فتاوی ھندیہ: ۵/۲۹۲)

فقیر آدمی کا ایام قربانی میں مال دار ہو جانا

اگر کوئی شخص پہلے سے فقیر تھا، عین قربانی کے دنوں میں یا قربانی کے تیسرے دن

آخری وقت میں صاحب نصاب ہوگیا تو اس پر قربانی واجب ہے۔(فتاوی شامی زکریا ۹/۴۵۸، فتاوی ہندیہ: ۵/۲۹۲)

مال دار کی قربانی کا جانور گم ہوجانا یا مرجانا

اگر کسی شخص پر قربانی واجب تھی اور اس نے قربانی کی نیت سے جانور خریدا، لیکن قربانی سے پہلے وہ جانور گم ہوگیا یا مرگیا، تو اس پر دوسرے جانور کی قربانی واجب ہے۔
(فتاوی شامی: ۹/۴۷۱، بدائع الصنائع زکریا: ۴/۲۱۶)

مال دار شخص کا قربانی کے جانور کو بدلنا

مالدار آدمی کو اختیار ہے کہ وہ اپنا متعین کردہ جانور قربانی سے پہلے بدل لے اور اس کی جگہ پر دوسرے جانور کی قربانی کرے؛ کیونکہ مالدار شخص کے متعین کرنے سے قربانی کا جانور متعین نہیں ہوتا ہے، لہٰذا اسے بدلنے کا اختیار ہے۔(البحر الرائق زکریا ۹/۳۲۰، فتاوی تاتارخانیہ: ۱۷/۴۱۱)

فقیر آدمی پر قربانی

فقیر شخص پر قربانی واجب نہیں ہے، لیکن اگر فقیر قربانی کی نیت سے جانور خرید لے تو اس پر قربانی واجب ہوجاتی ہے اور اس پر اسی متعین جانور کی قربانی لازم ہے۔
(فتاوی شامی: ۹/۴۷۱، فتاوی تاتارخانیہ: ۱۷/۴۱۱)

فقیر آدمی کی قربانی کا جانور گم ہوجانا یا مرجانا

اگر فقیر شخص نے کوئی جانور قربانی کی نیت سے خریدلیا تھا، پھر وہ قربانی سے پہلے گم ہوگیا یا مرگیا، تو اس پر دوسرے جانور کی قربانی لازم نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع: ۴/۲۰۰، فتاوی تاتارخانیہ: ۱۷/۴۱۳، فتاوی شامی: ۹/۴۷۱)

فقیر آدمی کا قربانی کے جانور کو بدلنا

اگر فقیر آدمی نے جانور قربانی کے لیے زبان سے کہہ کر متعین کرلیا تھا، تو اب اس جانور کو بدلنے کی اجازت نہیں ہے، بلکہ اسی متعین کردہ جانور کی قربانی لازم ہے۔ (البحر الرائق زکریا: ۹/۳۲۰، الفتاوی الولوالجیۃ: ۳/۸۲)

نابالغ اور پاگل کی طرف سے قربانی

نابالغ بچہ، دیوانہ اور پاگل شخص پر قربانی واجب نہیں ہے، اگرچہ وہ مال دار کیوں نہ ہوں۔ اسی طرح ان کے اولیاء پر بھی ان کی طرف سے قربانی لازم نہیں ہے، ہاں اگر اولیاء ان کی طرف سے قربانی کردیں تو بہتر ہے۔ (فتاوی شامی زکریا: ۹/۴۵۸، فتاوی تاتارخانیہ: ۱۷/۴۰۷)

اہل خانہ اور اولاد کی طرف سے قربانی

اگر باپ کا معمول ہے کہ وہ ہر سال اپنے اہل خانہ اور چھوٹے بڑے بچوں کی

طرف سے قربانی کرتا ہے، تو استحساناً سب کی طرف سے قربانی درست ہوجائے گی، خواہ اہل خانہ نے باقاعدہ اجازت دی ہو یا نہ دی ہو۔ (فتاوی شامی زکریا:۹/۴۵۷، محیط برھانی:۸/۴۷۳)

مرحومین کی طرف سے قربانی

اگر کوئی آدمی اپنے کسی مرحوم کی طرف سے نفلی قربانی کرے، تو یہ جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس کا ثبوت صحابہ کرام سے بھی ہے اور یہ سلسلہ امت میں بلا کسی اختلاف کے جاری ہے؛ اور اس طرح کی قربانی کا گوشت کوئی بھی کھا سکتا ہے، اس میں فقیر یا غریب کی بھی کوئی قید نہیں ہے۔ (فتاوی شامی زکریا:۹/۴۸۴)

حضورؐ کی جانب سے قربانی

اگر کوئی شخص اپنی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے قربانی کرے تو یہ جائز ہے، قربانی ادا ہوجائے گی، اور یہ سعادت و نیک بختی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ (فتاوی شامی زکریا:۳/۱۵۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی قربانی کرتے تھے اور انہوں نے فرمایا کہ نبی نے مجھے وصیت کی ہے کہ (ان کی وفات کے بعد) میں ان کی طرف سے قربانی کروں۔ (سنن ابو داود، رقم:۲۷۹۰)

قربانی کی قضا

اگر کوئی جانور قربانی کے لیے متعین تھا، لیکن وقت پر اس کی قربانی نہ کی جاسکی اور ایام

قربانی گذر گئے،تو اگر وہ جانور موجود ہے تو اس جانور کو زندہ صدقہ کرنا ضروری ہے اور اگر جانور موجود نہ ہو تو پورے جانور کی قیمت کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔(فتاوی هندیه: ۵/۲۹۴، محیط برهانی: ۸/۴۶۴)

ایام قربانی میں واجب قربانی نہیں کی؟

اگر کسی شخص پر قربانی واجب تھی،لیکن اس نے ایام قربانی میں قربانی نہیں کی اور نہ جانور خریدا،تو بعد میں اس کے لیے ایک بکرے کی قیمت کا غریبوں پر صدقہ کرنا واجب ہے۔(اب بڑے جانور کے ساتوے حصے کی قیمت کافی نہ ہوگی ، بلکہ پورے جانور کی قیمت دینی ضروری ہوگی)۔(فتاوی هندیه: ۵/۲۹۶)

کئی سال سے واجب قربانی نہیں کی؟

اگر صاحب استطاعت شخص نے وسعت کے باوجود قربانی ترک کردی، اور کئی سال تک قربانی نہیں کی،تو ہر سال کی قربانی کے بدلے میں ایک بکرا یا بکری کی قیمت کا صدقہ کرنا لازم ہے۔(فتاوی شامی زکریا: ۹/۴۶۳، بدائع الصنائع: ۴/۲۰۴)

قربانی کے جانور اور ان کی عمریں

(۱) بکرا اور بکری وغیرہ چھوٹا جانور، ایک سال کامکمل ہو چکا ہو۔اس کے ضمن میں پالتو بھیڑ دنبہ اور مینڈھے وغیرہ بھی شامل ہیں۔البتہ دنبہ یا بھیڑ اگر فربہ اور صحت مند ہو تو ایک سال سے کم عمر میں بھی ان کی قربانی درست ہے، جب کہ چھ مہینے سے زیادہ کے

ہوں۔(۲) گائے، بھینس، کٹڑا، بیل وغیرہ؛ دوسال کے مکمل ہو چکے ہوں۔(۳) اونٹ، پانچ سال کا مکمل ہو چکا ہو۔(فتاوی تاتار خانیہ:۱۷/۴۲۵، فتاوی شامی: ۹/۴۶۶، البحر الرائق: ۹/۳۲۴)

قربانی کے جانوروں میں حصے

بھینس، کٹڑا، گائے اور اونٹ وغیرہ بڑے جانور میں سات حصے دار شریک ہو سکتے ہیں؛ جبکہ بکرا، بکری وغیرہ چھوٹا جانور صرف ایک شخص کی طرف سے کافی ہوتا ہے۔(بدائع الصنائع: ۴/۴۰۷، تبیین الحقائق: ۶/۴۷۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کا احرام باندھ کر نکلے، تو آپ نے حکم دیا کہ ہم اونٹ اور گائے میں سات سات آدمی شریک ہو جائیں۔(صحیح مسلم: ۱/۴۲۴)

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: ''اَلشَّاۃُ عَنْ وَاحِدٍ'' کہ بکری ایک آدمی کی طرف سے ہے۔(اعلاء السنن: ۱۷/۲۱۰)

سبھی شریکوں کا عبادت کی نیت کرنا ضروری ہے

بڑے جانور میں حصہ لینے والے سبھی شریکوں کا قربت وعبادت کی نیت کرنا ضروری ہے۔لہٰذا اگر کسی شریک کی نیت صرف گوشت کھانے کی ہو تو اس جانور میں حصہ لینے والے کسی بھی شخص کی قربانی درست نہیں ہوگی۔(فتاوی شامی زکریا ۹/۴۷۲، فتاوی تاتار خانیہ ۱۷/۴۵۰)

چندلوگوں کا کسی ایک کی طرف سے قربانی کرنا

نفلی طور پر ثواب پہنچانے کی نیت سے اگر کئی لوگ مل کر ایک جانور میں یا جانور کے کسی ایک حصے میں مشترک طور پر شریک ہو جائیں اور اس کا ثواب کسی میت یا زندہ کو پہنچا دیں، تو یہ درست ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اس سے دوسرے حصے داروں کی قربانی پر بھی کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل، ۱۷/ ۲۰۷)

قربانی کا گوشت تول کر تقسیم کرنا

اگر قربانی کے سب حصے دار اجنبی ہوں اور سب اپنا حصہ مکمل وصول کرنا چاہتے ہوں تو ایسی صورت میں قربانی کا گوشت اندازے سے تقسیم کرنا درست نہیں ہے، بلکہ تول کر تمام حصے داروں میں برابر تقسیم کرنا ضروری ہے۔ (ملتقی الابحر: ۴/۱۶۸، فتاوی شامی: ۹/۴۶۰۔ البحر الرائق: ۸/۱۹۸)

ذبح کے وقت تمام حصے داروں کا نام لینا

اگر بڑے جانور میں سب حصے دار متعین ہو چکے ہیں تو ذبح کے وقت ہر ایک کا نام لینا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ مطلق ذبح سے بھی سب کی قربانی درست ہو جائے گی۔ (فتاوی ھندیہ ۵/۲۹۴، بدائع الصنائع: ۴/۲۰۹)

دکھاوے کے لیے مہنگا جانور خریدنا

آج کل بعض لوگ محض شہرت، ناموری اور دکھاوے کے لیے مہنگے سے مہنگا جانور

خریدتے ہیں اور پھراس کا خوب چرچا کر کے خوش ہوتے ہیں؛ تو یہ ریا کاری ہے اور اس میں ثواب کی امید رکھنا بھی بے کار ہے۔ اللہ تعالی کے نزدیک وہی عمل مقبول ہوتا ہے جو خالص اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے۔ ریا کاری اور دکھاوے کا جانور خواہ کتنا ہی قیمتی کیوں نہ ہو اللہ کی نظر میں اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ یہ بات درست ہے کہ قربانی عمدہ سے عمدہ جانور کی کرنی چاہیے، لیکن اس میں نمود ونمائش اور فضول خرچی سے بچنا بھی ضروری ہے۔ (مستفاد: مسائل قربانی وعقیقہ ۲۷)

لفظ اللہ اور محمد وغیرہ لکھے ہوئے جانور کی قربانی

آج کل بعض لوگ قربانی کے لیے ایسا جانور خریدتے ہیں، جس کی کھال پر لفظ ''اللہ'' یا ''محمد'' وغیرہ کی شکل بنی ہوئی ہو، جس کی قیمت لاکھوں میں ہوتی ہے، پھر اس کی قربانی کر کے خوب خوش ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بہت بڑے ثواب کا کام کرلیا ہے۔ یاد رکھیں! ایسا جانور بھی عام جانور کے حکم میں ہے، اس کی قربانی کی الگ سے کوئی فضیلت نہیں ہے۔ اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس صورت میں لاکھوں روپے میں صرف ایک قربانی ہورہی ہے، جبکہ انہی پیسوں میں کئی سارے جانور خرید کر بہت سے لوگوں کی طرف سے قربانی ہوسکتی ہے، یہ یقیناً زیادہ ثواب کا کام ہے۔

عیب دار جانوروں کی قربانی کے مسائل

مَسْئَلَہ: جس جانور کے سینگ کا کچھ حصہ اوپر سے ٹوٹ گیا ہو (یا اس کا خول اتر گیا ہو) اس کی قربانی درست ہے۔ اور اگر سینگ جڑ سے اُکھڑ گیا ہو اور سینگ ٹوٹنے کا اثر دماغ تک پہونچ گیا ہو یعنی دماغ کی ہڈی میں سوراخ ہو گیا ہو، تو

اس کی قربانی درست نہیں ہے۔(سنن الطحاوی: ۲/۲۷۱۔فتاوی شامی زکریا ۹/۴۶۷، مجمع الانھر: ۴/۱۷۱)

مسئلہ: جس جانور کے پیدائشی طور پر سینگ نہ ہوں (یا بچپن میں ہی اس کے سینگ کی جگہ آگ سے جلادی گئی ہو جس کی وجہ سے سینگ نہ نکل سکے ہوں) اس کی قربانی درست ہے۔(فتاوی شامی:۹/۴۶۷)

مسئلہ: اگر جانور کا کان تھوڑا بہت (تہائی حصہ یا اس سے کم) کٹا ہے تو اس کی قربانی درست ہے، لیکن اگر کان کا تہائی حصہ یا اس سے زیادہ کٹ گیا ہے تو اس کی قربانی درست نہیں ہوگی۔ (جامع ترمذی:۱/۲۷۲۔ فتاوی شامی: ۹/۴۶۸، فتاوی تاتار خانیه ۱۷/۴۲۹)

مسئلہ: جس جانور کے کان پیدائشی طور پر ایک یا دونوں نہ ہوں تو اس کی قربانی درست نہیں ہوگی۔(جامع ترمذی:۱/۲۷۲۔در مختار مع الشامی:۹/۴۶۹)

مسئلہ: جس جانور کے دانت بالکل نہ ہوں یا اکثر ٹوٹ چکے ہوں تو اس کی قربانی درست نہیں ہے اور جس کے دو چار دانت ٹوٹے ہوں کہ اسے چارہ کھانے میں زیادہ دشواری نہ ہوتی ہو تو اس کی قربانی میں کوئی حرج نہیں ہے۔(البحر الرائق زکریا:۹/۳۲۳، فتاوی شامی:۹/۴۶۹)

مسئلہ: زبان کٹا ہوا جانور جو چرنے پر قادر نہ ہو اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔(فتاوی شامی:۹/۴۷۰، فتاوی تاتار خانیه:۱۷/۴۲۸)

مسئلہ: اگر جانور کی دم کا تہائی حصہ یا اس سے زیادہ کٹا ہوا ہے، تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے اور اگر معمولی حصہ کٹا ہوا ہے تو اس کی قربانی درست ہے۔(اعلاء السنن:۷/۲۳۷۔فتاوی ھندیه:۵/۲۸۳۔فتاوی شامی زکریا:۹/۴۶۸)

مسئلہ: جو جانور اتنا دبلا پتلا ہو کہ اس کی ہڈیوں میں بالکل گودا نہ ہو، تو اس کی قربانی درست نہیں ہے، لیکن اگر تھوڑا بہت دبلا ہے تو اس کی قربانی درست ہے، البتہ موٹے تازے جانور کی قربانی کرنا زیادہ بہتر ہے۔ (فتاوی ھندیه: ۵/۳۰۰)

مسئلہ: جو جانور بالکل لنگڑا ہو یا اس قدر لنگڑا ہو کہ چلتے وقت تین پاؤں زمین پر رکھتا ہو اور چوتھا پیر زمین پر رکھ ہی نہ سکتا ہو، تو اس کی قربانی درست نہیں ہے؛ اور اگر چوتھا پاؤں زمین پر ٹیک کر لنگڑا کر چلتا ہے، تو اس کی قربانی درست ہے۔ (سنن ابو داؤد: ۲/۳۸۷۔ ردالمحتار: ۹/۵۳۶۔ البحر الرائق: ۹/۳۲۳)

مسئلہ: بکری کے دو تھنوں میں سے ایک تھن اگر خشک ہو جائے یا کٹ جائے تو اس کی قربانی درست نہیں ہے، اسی طرح گائے بھینس وغیرہ کے اگر دو تھن سوکھ جائیں یا کٹ جائیں تو اس کی قربانی بھی جائز نہیں ہے؛ لیکن اگر گائے بھینس وغیرہ کے چار تھنوں میں سے ایک تھن سوکھ جائے یا کٹ جائے تو اس کی قربانی درست ہے۔ (فتاوی تاتار خانیه: ۱۷/۴۳۰، فتاوی شامی: ۹/۴۶۹)

مسئلہ: جانور اگر اندھا ہو یا کانا ہو یا ایک آنکھ کی تہائی یا اس سے زائد روشنی نہ ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔ اور اگر روشنی تہائی سے کم گئی ہے تو قربانی جائز ہے۔ (فتاوی ھندیه: ۵/۳۶۸)

مسئلہ: گابھن جانور کی قربانی مکروہ ہے، جبکہ ولادت کا وقت قریب ہو۔ (فتاوی شامی ۹/۴۴۱)

مسئلہ: خصی جانور کی قربانی نہ صرف جائز بلکہ افضل اور مسنون ہے، کیونکہ اس کا گوشت غیر خصی سے اچھا ہوتا ہے۔ (سنن ابو داؤد: ۲/۳۸۵۔ فتاوی شامی: ۹/۴۶۷، البحر الرائق: ۹/۳۲۳)

مسئلہ: اگرخریدتے وقت جانور صحیح سالم تھا،لیکن بعد میں عیب دار ہو گیا تو مالدار پر اس کے بجائے دوسرے صحیح سالم جانور کی قربانی لازم ہے۔اوراگر فقیر ہے تو اسی عیب دار جانور کی قربانی کرسکتا ہے، دوسرے جانور کی قربانی اس پر لازم نہیں ہے۔(فتاوی شامی: ۹/۴۷۱، بدائع الصنائع: ۴/۲۱۶)

مسئلہ: جو جانور پہلے سے صحیح سالم تھا،لیکن قربانی کے لیے کوشش کرتے وقت (اچھل کود وغیرہ کی وجہ سے) عیب دار ہو گیا،تو اس کی قربانی درست ہے،شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔(البحر الرائق: ۹/۳۲۴، بدائع الصنائع: ۴/۲۱۶)

مسئلہ: جس جانور کے کھجلی یا خارش ہو اس کی قربانی بھی درست ہے۔البتہ اگر خارش کی وجہ سے بالکل دبلا پتلا ہو گیا ہو اور اس کا اثر گوشت تک پہونچ گیا ہو تو اس کی قربانی درست نہیں ہے۔(فتاوی هندیه: ۵/۱۹۸)

مسئلہ: بانجھ جانور جو شروع سے ہی بچے نہ جنتا ہو یا ایک دو بچے جن کر بچے جننے بند کر دیے ہوں تو اس کی قربانی بھی درست ہے۔(امداد الفتاوی: ۳/۵۵۹)

قربانی کے جانور کے دودھ کا استعمال

اگر کسی شخص نے قربانی کی نیت سے جانور خریدا تو خریدنے کے بعد اس جانور سے دودھ نکالنا خواہ اپنے استعمال کے لیے ہو یا فروخت کرنے کے لیے، جائز نہیں ہے۔ اور اگر کسی شخص نے دودھ نکال لیا یا دودھ نکالنا ضروری ہو گیا، مثلا جانور دودھ دینے والا ہے،تو اس صورت میں دودھ یا اس کی قیمت کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔(الفتاوی الهندیه: ۵/۳۰۰۔البحر الرائق: ۸/۳۲۷۔ بدائع الصنائع ۴/۲۱۹)

نوٹ: بعض جزئیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کے جانور کے دودھ کو صدقہ

کرنے کا حکم اس وقت ہے جب کہ وہ جانور گھر پر چارہ نہ کھاتا ہو، بلکہ باہر چر کر گزارا کرتا ہو؛ لیکن اگر اسے گھر پر چارہ کھلایا جاتا ہو، جیسا کہ آج کل عام معمول ہے، تو اس کے دودھ کو صدقہ کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ خود بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ (فتاوی هندية ۵/۳۰۱)

جانور ذبح کرنے کا مسنون طریقہ

(۱) افضل یہ ہے کہ اپنی قربانی خود اپنے ہاتھ سے کرے، اگر خود نہ کر سکے تو کم از کم ذبح کے وقت سامنے موجود رہے۔ (فتاوی شامی: ۹/۴۷۴) حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول خود اپنے ہاتھ سے قربانی فرمایا کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاہی وسفیدی مائل رنگ کے سینگوں والے دو مینڈھوں کی قربانی کی، اپنے دست مبارک سے ان کو ذبح کیا اور ذبح کرتے وقت "بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ أَكْبَرُ" پڑھا۔ (صحیح مسلم ۳۶۳۷)

(۲) جانور کو لٹانے سے پہلے چھری کو تیز کرنا مستحب ہے، تا کہ ذبح کے وقت جانور کو زیادہ تکلیف نہ ہو۔ (فتاوی تاتار خانية ۱۷/۳۹۶)

(۳) جانور کو بائیں پہلو پر قبلہ رخ لٹا دیں یعنی اس کے پیر قبلہ کی طرف کر دیں اور اپنا دایاں پاؤں اس کے شانے پر رکھ کر تیز چھری سے جلد ذبح کریں۔ (اعلاء السنن کراچی ۱۷/۱۳۷۔ مسبوط سرخسی، بیروت: ۱۲/۳)

(۴) ذبح کے وقت قربانی کی نیت کرے، دل سے بھی نیت کافی ہے، اس کے لیے زبان سے الفاظ ادا کرنے ضروری نہیں ہیں۔ (فتاوی هندیه ۵/۲۹۱)

(۵) ذبح کرتے وقت "بسم اللہ اکبر" پڑھنا ضروری ہے۔ (یعنی اللہ

کے نام سے ذبح کرنا ضروری ہے)۔(فتاوی تاتارخانیة ۱۷/۳۹۸)

(۶)ذبح کرنے سے پہلے یہ آیتیں پڑھنا بھی ثابت ہے۔ **إِنِّيْ وَجهتُ وَجهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰاتِ وَ الْاَرْضَ حَنِيْفًا وَ مَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ★ قُلْ اِنَّ صَلاَتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ★ لاَ شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ۔** (ابو داؤد ۲/۳۸۶، بدائع الصنائع ۴/۲۲۲)

(۷)ذبح کے بعد یہ دعا پڑھے: **اللّٰهم تقبل مني كما تقبلت من حبيبك محمد صلى الله عليه وسلم ومن خليلك ابراهيم عليه السلام۔** (فتاوی تاتارخانیة ۱۷/۴۰۰)

یہ دعا اس وقت ہے جبکہ اپنی طرف سے ذبح کرے اور اگر کسی دوسرے کی طرف سے ذبح کر رہا ہے تو ''اللھم تقبل من'' کے بعد اس شخص کا نام لے، یا اگر بڑا جانور ذبح کر رہا ہے تو لفظ ''من'' کے بعد سارے حصے داروں کا نام لے۔

ذبح کے وقت اردو میں اللہ کا نام لینا

اگر جانور ذبح کرتے وقت اردو میں اللہ کا نام لیا، مثلاً کہا: ''اللہ کے نام سے ذبح کرتا ہوں'' تب بھی جانور حلال ہو جائے گا۔ (عربی کلمہ پڑھنا ضروری نہیں ہے)۔
(فتاوی شامی: ۹/۴۳۷، البحر الرائق ۹/۳۰۸)

ایک بسم اللہ سے کئی جانور ذبح کرنا

اگر کئی جانوروں کو الگ الگ جگہوں پر لٹایا جائے یا پے در پے لٹایا جائے تو ایک بسم اللہ سب کے لیے کافی نہیں ہوگی، بلکہ ہر جانور کے لیے الگ الگ بسم اللہ پڑھنی ضروری

ہوگی۔(فتاوی شامی زکریا ۹/۴۳۹،البحر الرائق ۹/۳۰۷)

ذبح میں مدد کرنے والے بھی بسم اللہ پڑھیں

جو شخص جانور کو ذبح کرانے میں چھری چلانے والے کا مددگار ہو، مثلاً چھری میں ہاتھ لگا رہا ہو، تو اس پر بھی بسم اللہ پڑھنا واجب ہے۔(فتاوی شامی زکریا: ۹/۴۸۲)

ذبح کرتے وقت بسم اللہ بھول جانا

اگر مسلمان شخص ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو اس کا ذبیحہ حلال ہے، لیکن اگر جان بوجھ کر بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دیا تو ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔(البحر الرائق ۹/۳۰۶، فتاوی تاتارخانیة ۱۷/۴۰۱)

جانور کا ذبح کب متحقق ہوگا؟

جانور کے گلے میں چار شہ رگیں ہوتی ہیں (۱) حلقوم: جس سے سانس لیا جاتا ہے (۲) مری: جس سے کھانا پانی اندر جاتا ہے (۳، ۴) خون کے دوران والی دو رگیں۔ ان چار رگوں میں سے اگر تین رگیں کٹ جائیں تو جانور حلال ہو جاتا ہے، اور شرعی طور پر ذبح کا تحقق ہو جاتا ہے۔(فتاوی شامی زکریا: ۹/۳۵۶، فتاوی هندیه ۵:۲۸۷)

عورت کا ذبیحہ

عورت کے لیے بھی جانور ذبح کرنے کی اجازت ہے، جبکہ وہ اچھی طرح ذبح کرنا

جانتی ہو، لہٰذا مسلمان عورت کا ذبیحہ بلاشبہ حلال ہے۔ (اعلاء السنن کراچی: ۱۷/۲۹، فتاوی شامی: ۹/۴۳۰)

باشعور بچے کا ذبیحہ

اگر نابالغ بچہ باشعور ہو اور اللہ کا نام لے کر ذبح کرنے پر قادر ہو، تو اس کا ذبیحہ بھی حلال ہے۔ (فتاوی شامی زکریا: ۹/۴۳۰، الفتاوی السراجیة: ۳۸۱)

قربانی کا گوشت کہاں خرچ کریں؟

افضل یہ ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کیے جائیں (۱) ایک حصہ غریبوں میں تقسیم کردیں (۲) دوسرا حصہ اپنے رشتہ داروں اور دوست واحباب وغیرہ کو پیش کریں (۳) تیسرا حصہ خود اپنے استعمال میں لائیں۔ اور اپنی قربانی میں سے خود کھانا بھی مستحب ہے۔ اگر ضرورت ہو تو سارا گوشت اپنے استعمال میں بھی لا سکتے ہیں اور سارا صدقہ بھی کر سکتے ہیں۔ (فتاوی شامی زکریا: ۹/۴۸۴، بدائع الصنائع: ۴/۲۲۴، فتاوی تاتارخانیة: ۱۷/۴۳۷)

غیر مسلم کو قربانی کا گوشت دینا

قربانی کا گوشت غیر مسلم کو دینا بھی جائز ہے، اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ (فتاوی تاتارخانیة: ۱۷/۴۳۷، اعلاء السنن کراچی: ۱۷/۲۵۸، فتاوی هندیة ۵/۳۰۰)

قربانی کا گوشت فروخت کرنا

اصل یہی ہے کہ قربانی کا گوشت فروخت کرنا جائز نہیں ہے بلکہ اپنے استعمال میں لائیں یا مستحقین اور ضرورت مندوں میں تقسیم کردیں؛ لیکن اگر گوشت اتنا زیادہ ہو کہ اس کے ضائع ہونے اور خراب ہونے کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں ضائع کرنے کے بجائے بہتر یہ ہوگا کہ اسے فروخت کرکے اس کی قیمت غریبوں اور مستحقین میں تقسیم کردی جائے۔ (بدائع الصنائع: ۴/۲۲۵۔ فتاوی تاتارخانیۃ: ۱۷/۴۴۱، ملتقی الابحر: ۴/۱۷۴)

قربانی کا گوشت ولیمہ اور لڑکی کی شادی وغیرہ میں کھلانا

قربانی کا گوشت دعوتِ ولیمہ، لڑکی کی شادی اور دیگر کسی تقریب میں رشتہ داروں اور دوست واحباب وغیرہ کو بھی کھلایا جاسکتا ہے، اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ (فتاوی شامی زکریا: ۹/۴۷۲)

قربانی کی کھال کا استعمال

بہتر یہ ہے کہ قربانی کی کھال صدقے میں دے دی جائے، البتہ اس کو اپنے ذاتی استعمال میں لانا بھی جائز ہے جبکہ دباغت وغیرہ کے ذریعے اس کو پاک کرلیا جائے۔ (فتاوی ھندیہ: ۳/۳۷۲۔ تبیین الحقائق زکریا: ۶/۴۸۶، ملتق الابحر: ۴/۱۷۴، فتاوی شامی: ۹/۴۷۵)

قربانی کی کھال مدارس میں دینا

قربانی کی کھال مدارس کے نادار طلبہ کو بطور صدقہ دینا درست ہے، اس میں صدقہ اور علم دین کی اشاعت میں تعاون دونوں کا ثواب ملے گا۔ (کتاب الفتاوی: ۴/ ۱۵۲، جواہر الفقہ :۱/ ۴۵۲، فتاوی محمودیہ: ۱۷/ ۴۶۲)

قربانی کی کھال مساجد میں دینا

قربانی کی کھال مسجد میں اس غرض سے دینا کہ اسے فروخت کر کے مسجد کی مختلف ضروریات میں خرچ کیا جائے، درست نہیں ہے۔اسی طرح قربانی کی کھال مسجد کے امام اور مؤذن کو تنخواہ اور معاوضے کے طور پر دینا بھی جائز نہیں ہے۔ (فتاوی محمودیہ، میرٹھ ۲۶/ ۳۷۸-۳۷۹)

قربانی کی کھال ہدیہ کرنا

قربانی کی کھال بعینہ کسی کو ہدیہ بھی کر سکتے ہیں، اس میں مالدار اور غریب کی بھی کوئی تخصیص نہیں ہے۔(فتاوی شامی: ۹/۳۹۸، الدر المنتقی بیروت: ۴/۱۷۵)

قربانی کے جانور کی رسی وغیرہ صدقہ کرنا

قربانی کے جانور کی کھال کے ساتھ جانور کی رسی، زنجیر اور جھول وغیرہ بھی صدقہ کر دینا مستحب ہے۔اور اگر ان چیزوں کو بیچ دیا تو اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے۔اگر رسی،

زنجیر وغیرہ خود استعمال کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔ (فتاوی هندیه: ۵/۳۰۰۔ فتاوی شامی : ۹/۴۷۴، فتاوی تاتارخانية: ۱۷/۴۴۲)

قصائی کی اجرت جانور میں سے دینا

جانور ذبح کرنے اور گوشت بنانے والے قصائی کی اجرت قربانی کی کھال، چربی، پھیپڑے اور گوشت وغیرہ کے ذریعے ادا کرنی درست نہیں ہے؛ بلکہ قصائی کی اجرت الگ سے دی جائے۔ (فتاوی شامی زکریا: ۹/۴۷۵، البحر الرائق: ۹/۳۲۷)

حج کا بیان

حج کا مفہوم اور ابتدائی تاریخ

ماہِ ذی الحجہ میں ایک اہم حکم حج بیت اللہ کا ہے، حج ایک اہم ترین عبادت ہے، یہ اسلام کا ایک اساسی رکن ہے، اسلام کی بنیاد جن پانچ اصول پر قائم ہوئی ہے ان میں سے ایک حج ہے۔ مخصوص ایام، مخصوص حالات اور مخصوص مقامات پر مخصوص افعال کرنے کا نام حج ہے۔ دنیا میں حج کا سلسلہ پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے ہے۔ تفسیر کی روایات سے ثابت ہے کہ آدمؑ نے ہندوستان سے مکہ معظّمہ آ کر اللہ کے حکم سے فرشتوں کی رہنمائی میں بیت اللہ شریف کی بنیادیں قائم فرمائیں اور حج ادا فرمایا، اس کے بعد برابر حجاز مقدس کے اسفار فرماتے رہے، جن میں سے ۳۰۰؍سفر حج کے لیے کیے تھے اور ۷۰۰؍سفر عمرے کے لیے فرمائے تھے۔ (اعیان الحج: ۲۴-۲۲)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: جس وقت حضرت آدمؑ زمین پر اتارے گئے تو انہوں نے خانہ کعبہ کا سات چکر طواف کیا، اب جہاں مقام ابراہیم ہے اس کے بالمقابل دو رکعت نماز ادا کی، اس کے بعد یہ دعا فرمائی: **اللّٰهُمَّ إنّک تعلم سري وعلانيتي فأقبل معذرتي وتعلم حاجتي فأعطني سؤالي وتعلم ما في نفسي فاغفر لي ذنبي، اللّٰهم إنّي أسألک إيمانا يباشر قلبي ويقينا صادقا حتى اعلم أنه لا يصبني إلاّ ما كتبت لي ورضا بما قسمت لي۔** (مجمع الزوائد:

۱۰/۱۸۳) ترجمہ: اے اللہ! تو میرا باطن اور ظاہر سب جانتا ہے، پس میری معذرت قبول فرمالے اور تو میری حاجت کو بھی جانتا ہے، لہٰذا میری مانگ پوری کردے اور تو وہ سب جانتا ہے جو میرے نفس میں ہے پس میرے گناہ بخش دے، اے اللہ میں تجھ سے ایسا ایمان مانگتا ہوں جو میرے دل میں پیوست ہو اور ایسا سچا یقین جس سے مجھے عین الیقین حاصل ہو کہ تو نے جو کچھ لکھ دیا ہے اس کے سوا ہرگز نہ مجھ کو کچھ ملے گا، نہ کوئی تکلیف پہنچے گی اور میں تیری تقسیم سے راضی رہوں۔ جب حضرت آدمؑ یہ دعا کر چکے تھے تو حق تعالی نے وحی بھیجی کہ ہم نے تمہاری خطا بخش دی اور تمہاری اولاد میں سے جو کوئی ہمارے یہاں آ کر تمہاری اس دعا کو پڑھے گا ہم اس کے گناہ بھی بخش دیں گے۔ (اعیان الحج: ۱/۲۲)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت آدمؑ حج کے مناسک ادا کر کے فارغ ہوئے تو بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ: اے رب العالمین! ہر عمل کرنے والے کو بدلہ ملتا ہے ہمارے لیے کیا فیصلہ ہے؟ اللہ تعالی نے فرمایا: اے آدم! میں نے تمہاری بخشش تو کر ہی دی، تمہاری اولاد میں سے جو بھی میرے گھر کے پاس آ کر اپنے گناہوں سے توبہ کرے گا، میں اسے بھی بخش دوں گا۔ (البحر العمیق: ۱/۷۶)

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت آدمؑ حج فرما چکے تھے تو فرشتوں نے آپ سے ملاقات کر کے فرمایا: آپ کو حج مبارک ہو، ہم یہ عبادت آپ سے پہلے دو ہزار سال سے کرتے چلے آئے ہیں؛ حضرت آدمؑ نے پوچھا: تم لوگ طواف کرتے ہوئے کیا پڑھتے ہو؟ فرشتوں نے جواب دیا: ہم یہ کلمہ پڑھتے ہیں **"سبحان اللّٰہ و الحمد للہ و لا إلٰہ إلاَّ اللّٰہ و اللّٰہ أکبر"** چنانچہ حضرت آدمؑ نے بھی طواف میں اس کلمے کو کثرت سے پڑھا۔ (البحر العمیق: ۱/۷۷)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اعلان حج

طوفان نوح کے بعد بیت اللہ شریف کے آثار مستور ہو گئے تھے، چنانچہ بعد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے بیت اللہ شریف کی تعمیر نو فرمائی، تعمیر مکمل ہونے پر اللہ نے حکم دیا: وَاَذِّنْ فِيْ النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوْكَ رِجَالاً وَعَلىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ (سورۃ الحج:۲۷) اور آپ لوگوں میں حج کا اعلان فرما دیں وہ چلے آئیں آپ کے پاس پیدل اور دبلے پتلے اونٹوں پر سوار ہو، چلے آئیں دور دراز راستوں سے۔ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا: رب العالمین! میری آواز آخر کہاں تک پہنچے گی؟ اللہ رب العالمین نے فرمایا: اعلان کرنا تمہارا کام ہے، آواز پہنچانا ہمارے ذمے ہے؛ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بلند پہاڑ پر چڑھ کر اعلان فرمایا کہ: اے لوگو! تمہارے رب نے اپنا گھر بنایا ہے، لہٰذا اس کا حج کرو؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اس ندائے ابراہیمی کو نہ صرف اس وقت موجود تمام مخلوقات تک پہنچایا بلکہ جو لوگ ماں کے پیٹوں اور باپ کی پیٹھوں میں تھے ان سب تک یہ آواز پہنچا دی اور جس نے اس آواز پر جتنی مرتبہ لبیک کہا اس کو اتنی ہی مرتبہ ان شاء اللہ بیت اللہ حاضری کی سعادت نصیب ہوگی۔ (تفسیر ابن کثیر:۵۹۸۔ تفسیر قرطبی:۱۲/۳۶)

حج کی فرضیت

حج کب فرض ہوا؟ اس سلسلے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، ایک قول پانچ ہجری کا ہے، دوسرا قول چھ ہجری کا ہے، ایک قول نو ہجری اور ایک قول دس ہجری کا ہے؛ ان اقوال میں آخری دو قول صحت کے زیادہ قریب ہیں کہ حج نو یا دس ہجری میں فرض ہوا، اس لیے

کہ حج کی فرضیت کی آیت نو ہجری کے آخر میں نازل ہوئی، جسے "عام الوفود" بھی کہا جاتا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ حج نو ہجری کے آخر میں فرض ہوا ہے۔ (زاد المعاد ۳/۵۹۵)

قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً، وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (سورہ آل عمران:۹۷)

اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر اس کے گھر کا حج کرنا، جو شخص اس کی طرف راہ چلنے کی قدرت رکھتا ہو؛ اور جو شخص ناشکری کرے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کو سارے جہاں والوں کی کوئی پروا نہیں ہے۔

یہ آیت کریمہ حج کی فرضیت واہمیت کو بتا رہی ہے۔ آیت کی ابتدا ہی یہ کہہ کر کی گئی ہے کہ بندوں پر اللہ کا حق ہے کہ وہ حج کو جائیں اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ظاہری وباطنی، داخلی اور خارجی نعمتوں کا شکر ادا کریں۔ لہٰذا جو شخص بھی جسمانی اور مالی قدرت واستطاعت رکھتا ہو اس پر جلد از جلد اس فریضے کی ادائیگی لازم ہے اور اس میں تاخیر بالکل پسندیدہ نہیں ہے، بلکہ بعض صورتوں میں تاخیر کی بنا پر گنہگار ہوگا۔

حج زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے

حج زندگی میں صرف ایک مرتبہ ادا کرنا فرض ہے، بار بار حج فرض نہیں؛ ہاں البتہ اگر کوئی نفلی حج کرنا چاہے تو جتنی مرتبہ چاہے کرسکتا ہے۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض فرمایا ہے۔ ایک صحابی حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول!

کیا ہر سال حج فرض ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لَوْ قُلْتُهَا لَوَجَبَتْ وَلَوْ وَجَبَتْ لَمْ تَعْمَلُوْا بِهَا وَلَمْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تَعْمَلُوْا بِهَا، اَلْحَجُّ مَرَّةً فَمَنْ زَادَ فَهُوَ تَطَوُّعٌ۔ (رواہ احمد وابو داؤد، تفسیر ابن کثیر ۲۵۳) اگر میں ''ہاں'' کہہ دیتا تو ہر سال حج فرض ہوجاتا، اور اگر ایسا ہوتا تو تم اس پر عمل نہ کر پاتے اور تمہارے بس میں بھی نہیں تھا کہ تم اس پر عمل کرتے، حج تو بس ایک مرتبہ فرض ہے اور اس سے زیادہ نفل ہے۔

حج کی ادائیگی میں جلدی کریں

جس شخص پر حج فرض ہوجائے اسے جلد از جلد اپنے اس فریضے سے سبک دوشی کی فکر کرنی چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تَعَجَّلُوْا اِلَى الْحَجِّ يَعْنِيْ الْفَرِيْضَةَ فَاِنَّ اَحَدَكُمْ لَا يَدْرِيْ مَا يَعْرَضُ لَهُ۔ (مسند احمد، تفسیر ابن کثیر ۲۵۳، الترغیب والترھیب ۱۶۱ ۲) فریضۂ حج ادا کرنے میں جلدی کرو، کیوں کہ تم میں سے کسی کو نہیں معلوم کہ آئندہ کیا رکاوٹ پیش آجائے۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے، پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: مَنْ اَرَادَ الْحَجَّ فَلْيَتَعَجَّلْ۔ (رواہ ابو داؤد، تفسیر ابن کثیر: ۲۵۳) جس شخص کا حج کا ارادہ ہو تو اسے چاہیے کہ جلدی کرے۔

بہت سے لوگ حج فرض ہونے کے باوجود حج کی ادائیگی میں بلا وجہ تاخیر کرتے رہتے ہیں اور بہت سے حضرات محض اس وجہ سے حج کو نہیں جاتے ہیں کہ اپنی اولاد کی شادیوں وغیرہ سے فارغ ہوکر حج کو جائیں گے، یہ طریقہ درست نہیں ہے۔ حج کی فرضیت کے بعد اولاً حج کی ادائیگی کی فکر ہونی چاہیے، بعد میں دیگر ضرورتیں پوری کریں۔ حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص کسی دنیوی ضرورت سے اپنا حج مؤخر کرتا ہے تو

لوگ حج کر کے واپس بھی آ جاتے ہیں، مگر اس شخص کی ضرورت باقی ہی رہتی ہے اور اسے رکنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

چناں چہ ایک ضعیف حدیث میں مروی ہے کہ نبی اکرم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ عَبْدٍ وَلاَ اَمَةٍ يَضِنُّ بِنَفَقَةٍ يُنْفِقُهَا فِيْ مَا يُرْضِى اللّٰهَ اِلاَّ اَنْفَقَ اَضْعَافَهَا فِيْمَا يُسْخِطُ اللّٰهَ۔ وَمَا مِنْ عَبْدٍ يَدَعُ الْحَجَّ لِحَاجَةٍ مِنْ حَوَائِجِ الدُّنْيَا اِلاَّ رَأَى الْمُخَلَّفِيْنَ قَبْلَ اَنْ يَقْضِىَ تِلْكَ الْحَاجَةَ - يَعْنِىْ حَجَّةَ اْلاِسْلاَمِ - وَمَا مِنْ عَبْدٍ يَدَعُ الْمَشْىَ فِيْ حَاجَةِ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ قُضِيَتْ اَوْ لَمْ تُقْضَ اِلاَّ اُبْتُلِىَ بِمَعُوْنَةِ مَنْ يَأْثَمُ عَلَيْهِ وَلاَ يُوْجَرُ فِيْهِ۔ (رواہ الاصفهانی، الترغيب والترهيب ۲۶۱)

جو مرد یا عورت اللہ کی رضا کی جگہوں میں خرچ کرنے سے بخل کرتا ہے تو اس سے کئی گنا زیادہ اسے اللہ کی ناراضگی کی جگہوں میں خرچ کرنا پڑتا ہے، اور جو شخص کسی دنیاوی ضرورت کی بنا پر اپنا فریضۂ حج چھوڑتا ہے تو وہ اس ضرورت کے پوری ہونے سے پہلے ہی حج سے واپس آنے والوں کو دیکھ لیتا ہے۔ اور جو شخص کسی مسلمان بھائی کی ضرورت میں اس کے ساتھ جانے سے منع کرے گا خواہ وہ ضرورت اس کے ذریعہ پوری ہوسکتی ہو یا نہ ہوسکتی ہو، تو اسے کسی گناہ کے کام میں مدد کرنے میں مبتلا ہونا پڑے گا جس پر اسے کوئی اجر نہ ملے گا۔

لہٰذا حج فرض ہوجانے کے بعد معمولی کاموں اور بہانوں کی وجہ سے اس کی ادائیگی میں ٹال مٹول اور تاخیر ہرگز نہیں کرنی چاہیے، بلکہ پہلی فرصت میں اس فریضہ کو ادا کریں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

آج کل ایک بات یہ بھی دیکھنے میں آتی ہے کہ اگر بیٹے پر حج فرض ہے اور اس کے

والدین نے حج فرض نہ ہونے کی وجہ سے ابھی حج نہیں کیا ہے، تو بیٹا اس وقت تک اپنے لیے حج کو جائز نہیں سمجھتا جب تک کہ وہ والدین کو حج نہ کرادے، اور پھر عموماً یہ ہوتا ہے کہ ضعیف اور بوڑھے والدین کو تنہا حج کے لیے بھیجا جاتا ہے، تاکہ ان کے حج کرنے سے اپنے لیے حج کی راہ ہموار ہو سکے؛ یہ خیال کہ والدین کے حج کے بغیر اولاد کا حج ادا نہیں ہوگا محض جہالت اور ناواقفیت پر مبنی ہے، حج کی فرضیت کا تعلق قدرت اور استطاعت سے ہے، اگر بیٹا استطاعت رکھتا ہے تو اس پر حج فرض ہے اور وہ بلا تأمل والدین سے پہلے اپنا فریضۂ حج ادا کر سکتا ہے، اس میں شرعاً کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ والدین کے حج کے انتظار میں اپنا حج مؤخر نہیں کرنا چاہیے۔ البتہ اگر کوئی سعادت مند بیٹا اپنی وسعت کے مطابق خود اپنی مرضی سے اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کو حج کے لیے اپنے ساتھ لے کر جائے تو یہ یقیناً سعادت اور خوش نصیبی کی بات ہے۔ (کتاب المسائل ۳/ ۶۳)

فرضیت کے باوجود حج ادا نہ کرنے پر وعیدیں

احادیث میں ایسے شخص کے بارے میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں جو وسعت اور قدرت کے باوجود حج کا فریضہ ادا کرنے میں تاخیر کرے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ مَلَکَ زَادًا وَرَاحِلَةً تَبْلُغُهُ إِلیٰ بَیْتِ اللّٰہِ الْحَرَامِ وَلَمْ یَحُجَّ فَلاَ عَلَیْهِ اَنْ یَّمُوْتَ یَهُوْدِیاً اَوْ نَصْرَانِیاً، وَذٰلِکَ اَنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ یَقُوْلُ: وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ	جو شخص زادِ راہ اور بیت اللہ شریف تک پہنچانے والی سواری پر قادر ہو پھر بھی حج نہ کرے تو اس پر کچھ نہیں ہے کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر۔ اور یہ بات اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

اسۡتَطَاعَ اِلَیۡهِ سَبِیۡلاً۔ (جامع ترمذي: ۸۱۲، مناسک ملا علی قاری: ۳۱، الترغیب والترهیب۲۷۷)

ارشاد فرمایا ہے: اور اللہ کے لیے لوگوں پر بیت اللہ کا حج کرنا ہے، جو شخص وہاں تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔

ایک دوسری روایت میں ہے:

مَنۡ لَمۡ یَمۡنَعۡهُ مِنَ الۡحَجِّ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ اَوۡ سُلۡطَانٌ جَائِرٌ اَوۡ مَرَضٌ حَابِسٌ فَمَاتَ وَلَمۡ یَحُجَّ فَلِیمتۡ اِنۡ شَاء یَهُوۡدِیاً اَوۡ نَصۡرَانِیاً۔ (رواه الدیلمی فی الفردوس، مناسک ملاعلی قاری ۳۱)

جس کو حج سے کوئی ظاہری ضرورت یا ظالم حکمراں یا مجبور کن بیماری نہ روکے پھر بھی وہ حج کیے بغیر مرجائے تو چاہے وہ یہودی ہوکر مرے یا عیسائی ہوکر۔ (اللہ کو کچھ پروا نہیں)۔

اس میں یہودی یا عیسائی ہوکر مرنے کی جو وعید سنائی گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں مذاہب میں حج کی عبادت کی کوئی اہمیت نہیں ہے، دوسرے یہ کہ یہ لوگ صراحۃً اللہ تعالیٰ کے احکامات اور اس کی کتابوں سے روگردانی اور بغاوت کرنے والے ہیں، تو گویا کہ وسعت وقدرت کے باوجود حج کو نہ جانے والا بھی حکم شرعی کو ادا نہ کرکے ان لوگوں کی طرح سرکشی کا مرتکب ہورہا ہے۔ نعوذ باللہ۔ (کتاب المسائل: ۳/ ۶۳)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ عَبۡداً صَحَّحۡتُ لَهٗ جِسۡمَهٗ وَوَسَّعۡتُ عَلَیۡهِ فِیۡ الۡمَعِیۡشَةِ تَمۡضِیۡ عَلَیۡهِ خَمۡسَةُ اَعۡوَامٍ لاَ یَفِدُ اِلَیَّ لَمَحۡرُوۡمٌ۔ (صحیح ابن حبان ۲۰۴/۴)

میں نے جس بندے کو جسمانی صحت اور مالی وسعت سے نوازا، پھر اس پر اس حالت میں پانچ سال گذر جائیں کہ وہ میرے پاس (بیت اللہ) حاضر نہ ہو تو وہ یقینا محروم ہے۔

حج مغفرت کا ذریعہ ہے

اللہ تعالیٰ نے جن اعمال کو بندوں کی مغفرت کا ذریعہ اور سبب بنایا ہے ان میں حج کو امتیازی حیثیت حاصل ہے، چناں چہ احادیث شریفہ میں اس بات کو بخوبی واضح کیا گیا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ حَجَّ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ مِنْ ذُنُوْبِهٖ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ۔ (صحيح البخاري: ۱/۲۰۶، سنن ابن ماجه ۲۶۸)

جو شخص اس طرح حج کرے کہ اس میں کوئی گناہ کا کام اور بے حیائی کی بات نہ کرے تو وہ گناہوں سے ایسے پاک ہو کر واپس ہوتا ہے جیسے آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔

اس حدیث میں رفث سے ہر بے حیائی اور لغو بات مراد ہے، جب کہ فسوق میں ہر طرح کے گناہ شامل ہیں، یہ چیزیں اگر چہ حج کے علاوہ بھی منع ہیں، لیکن حج کے ساتھ ان کی ممانعت مزید بڑھ جاتی ہے۔ (البحر العميق: ۱/۵۶)

مشہور صحابی رسول حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام کی رغبت ڈالی تو میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! دستِ مبارک بڑھایے، تاکہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کروں؛ چناں چہ آپ نے اپنا دست اقدس بڑھایا، تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، اس پر پیغمبر علیہ السلام نے بطور تعجب فرمایا کہ: عمرو! تمہیں کیا ہوا؟ تو میں نے عرض کیا کہ: میں آپ سے ایک شرط لگانا چاہتا ہوں، پیغمبر علیہ السلام نے پوچھا: کیا شرط؟ میں نے عرض کیا: شرط یہ ہے کہ میرے پچھلے سب گناہوں کو بخش دیا جائے۔ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَمَا عَلِمْتَ یَا عَمْرو اِنَّ اْلاِسْلاَمَ یَھْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَہٗ، وَاِنَّ الْھِجْرَۃَ تَھْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَھَا، وَاِنَّ الْحَجَّ یَھْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَہٗ۔ (مسلم شریف: ۱۲۱، ابن خزیمة ۲۵۱۵ الترغیب والترھیب ۲۵۸)

عمرو! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اسلام اس سے پہلے کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے، اور ہجرت سابقہ زندگی کے گناہوں کو مٹا دیتی ہے، اور حج ماقبل کے گناہوں کی معافی کا سبب ہے۔

یہاں یہ ضرور یاد رکھنا چاہیے کہ علماء کے نزدیک حج جیسی عبادات سے چھوٹے موٹے حقوق اللہ سے متعلق گناہ بغیر توبہ کے معاف ہوجاتے ہیں، جب کہ بڑے گناہوں کی معافی کے لیے ساتھ میں توبہ شرط ہے۔ اور حقوق العباد سے متعلق گناہ محض حج سے یا محض توبہ سے معاف نہیں ہوں گے، بلکہ صاحب حقوق کو راضی کرنا لازم ہے؛ لہٰذا کوئی اس خوش گمانی میں نہ رہے کہ لوگوں کے حقوق ضائع کر کے محض حج کرنے سے اس کے گناہ معاف ہوجائیں گے؛ بلکہ حقوق العباد کی ادائیگی ہر حال میں لازم ہے۔ (مستفاد: البحر العمیق ۱/۶۳-۶۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حج اور عمرہ پے درپے کیا کرو، کیوں کہ یہ دونوں عبادتیں فقر وفاقہ اور گناہوں کو ایسے مٹا دیتی ہیں جیسا کہ بھٹی لوہے اور سونا چاندی کے کھوٹ کو (جلا کر) ختم کر دیتی ہے، اور حج مبرور کا بدلہ جنت کے علاوہ کچھ نہیں۔ (رواه الترمذی وابن خزیمة وابن حبان، الترغیب والترھیب ۲۵۹)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے عرض کیا کہ الٰہ

العالمین! آپ کے جو بندے آپ کے گھر کی زیارت کے لیے حاضر ہوں ان کے لیے کیا تحفہ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ لِکُلِّ زَائِرٍ عَلَی الْمَزُوْرِ حَقاً یَا دَاؤُدُ اِنَّ لَهُمْ عَلَيَّ اَنْ اُعَافِيَهُمْ فِی الدُّنْيَا وَاَغْفِرَ لَهُمْ اِذَا لَقِيْتُهُمْ۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط ۲۰۳۰، الترغیب والترھیب ۱۲۶)

ہر مہمان کا میزبان پر حق ہوتا ہے، اے داؤد! ان زائرین کا مجھ پر حق یہ ہے کہ میں انہیں دنیا میں عافیت سے نوازوں گا اور (آخرت میں) جب میری ان سے ملاقات ہوگی تو میں ان کو مغفرت عطا کروں گا۔

حاجیوں کے لیے بے انتہا اجر وثواب

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منی کی مسجد میں حاضر تھا کہ آپ کی خدمت میں ایک انصاری صحابی اور ایک ثقفی صحابی حاضر ہوئے اور سلام کے بعد انہوں نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! ہم کچھ پوچھنے کی غرض سے آئے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اگر تم چاہو تو میں تمہیں ان سوالات کی خبر دے دوں جنہیں تم معلوم کرنے آئے ہو؟ اور چاہو تو خاموش رہوں، اور تم خود سوال کرو؟ ان دونوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ ہی ارشاد فرمائیے، چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا: تم یہ باتیں پوچھنے آئے تھے: (۱) گھر سے چل کر بیت اللہ کی طرف جانے کا کیا ثواب ہے؟ (۲) طواف کے بعد کی دو رکعتوں کا کیا اجر ہے؟ (۳) صفا اور مروہ کی سعی کا کیا بدلہ ہے؟ (۴) وقوف عرفہ کا کیا بدلہ ہے؟ (۵) کنکری مارنے پر کیا اجر ملتا ہے؟ (۶) اور قربانی کرنے سے انسان

کس ثواب کا مستحق ہوتا ہے؟۔ یہ سن کر ان دونوں صحابیوں نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے، ہم یہی سوالات کرنے حاضر ہوئے تھے۔ پھر آپ ؐ نے ارشاد فرمایا کہ: (۱) جب تم اپنے گھر سے مسجد حرام کا ارادہ کر کے چلتے ہو تو تمہاری سواری کے قدم قدم پر ایک نیکی لکھی جاتی ہے، اور تمہاری ایک غلطی معاف کی جاتی ہے۔ (۲) اور طواف کے بعد کی دو رکعتوں کا اجر بنی اسماعیل کے غلام کو آزاد کرنے کے برابر ہے۔ (۳) اور صفا اور مروہ کی سعی کا ثواب ۷۰ رغلاموں کو آزاد کرنے کے برابر ہے۔ (۴) اور تمہارا میدان عرفات میں وقوف کرنا، تو اس دن اللہ ربّ العزت آسمان دنیا پر نزولِ اجلال فرما کر فرشتوں کے سامنے تم پر فخر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے پراگندہ بالوں والے بندے دنیا کے کونے کونے سے میری جنت کی امید لگا کر میرے پاس آئے ہیں؛ لہٰذا ان کے گناہ اگر چہ ریت کے ذرات، بارش کے قطرات اور سمندر کے جھاگ کے برابر بھی ہوں پھر بھی میں انہیں بخش دوں گا۔ پس اے میرے بندو! جاؤ بخشے بخشائے واپس جاؤ، تم بھی بخش دیے گئے اور جس کے لیے تم نے بخشش کی سفارش کی ان کی بھی مغفرت کر دی گئی ہے۔ (۵) اور تمہارا شیطان کو کنکری مارنا، تو اس میں ہر کنکری کے بدلے میں کسی بڑے ہلاکت خیز گناہ سے مغفرت ہوتی ہے۔ (۶) اور تمہارا قربانی کرنا، تو اس کا ثواب آخرت کے ذخیرے میں جمع کیا جاتا ہے۔ اور (احرام کھولتے وقت) تمہارا سر منڈانا تو ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور ایک برائی مٹائی جاتی ہے۔ اور جب تم اس کے بعد طوافِ زیارت کرتے ہو تو تم گناہوں سے بالکل پاک صاف ہوتے ہو اور ایک فرشتہ تمہارے دونوں شانوں کے درمیان ہاتھ رکھ کر کہتا ہے کہ: اب آئندہ کے لیے از سر نو اعمال کرو، تمہارے گذشتہ سارے گناہ معاف کر دیے گئے ہیں۔ (رواه الطبرانی فی الکبیر والبزار، قال المعلی:

وهي طريق لا بأس بها، رواتها كلهم موثقون، الترغيب والترهيب ۲۶۲)

حج مبرور کا بدلہ جنت ہے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهٗ جَزَآء إِلاَّ الْجَنَّة، قِيْلَ وَمَا بِرُّهٗ؟ قَالَ: اِطْعَامُ الطَّعَامِ وَطِيْبُ الْكَلَامِ۔ (مسند احمد ۳۲۵/۳، الترغیب والترھیب ۲۵۹)

حج مبرور کا بدلہ سوائے جنت کے کچھ نہیں، پوچھا گیا کہ حج کا ''بر'' (خاص نیکی) کیا ہے؟ تو پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: کھانا کھلانا اور اچھی گفتگو کرنا۔

حج مبرور کا اطلاق کس حج پر ہوگا؟ اس بارے میں علماء کے کئی اقوال ہیں، جس میں سے تین قول یہ ہیں: (۱) وہ حج جس کے ساتھ کوئی گناہ شامل نہ ہو۔ (۲) وہ حج جو عنداللہ مقبول ہو، اور اس کی علامت یہ ہے کہ حج کے بعد وہ حاجی خوب خیر کے کام کرے اور جن گناہوں سے توبہ کرچکا ہے ان سے دور رہے۔ (۳) حج مبرور وہ حج ہے جس میں ریا کاری اور شہرت کا جذبہ نہ ہو۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے کہ: حج مبرور کی علامت یہ ہے کہ آدمی حج کرکے جب واپس آئے تو دنیا سے بے رغبت ہو اور آخرت کی طرف رغبت کرنے والا ہو۔ (البحر العمیق ۱/ ۵۸-۵۷)

حج کمزور لوگوں کے لیے جہاد ہے

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ میں طبعی طور پر بزدل اور کمزور ہوں (لہٰذا جہاد کرنا مشکل

ہے) تو آپ نے ارشاد فرمایا: هَلُمَّ اِلیٰ جِهَادٍ لاَ شَوْکَةَ فِیْهِ اَلْحَجُّ (رواه الطبرانی فی الکبیر والاوسط، الترغیب والترهیب ۲۵۸) آؤ ایسے جہاد کی طرف جس میں کوئی کانٹا (جانی خطرہ) نہیں ہے، وہ ''حج'' ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے پیغمبر علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جہاد افضل ترین عمل ہے تو کیا ہم عورتیں جہاد نہ کریں؟ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: لٰکِنَّ اَفْضَلُ الْجِهَادِ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ۔ (صحیح البخاری: ۱۵۲۰، الترغیب والترهیب ۲۵۸) تمہارے (عورتوں اور کمزوروں کے) لیے افضل ترین جہاد حج مبرور ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جِهَادُ الْکَبِیْرِ وَالضَّعِیْفِ وَالْمَرْأَةِ اَلْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ۔ (رواه النسائی، الترغیب والترهیب ۲۵۸) بوڑھے، کمزور اور عورت کا جہاد حج اور عمرہ ہے۔

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اَلْحَجُّ جِهَادُ کُلِّ ضَعِیْفٍ۔ (رواه ابن ماجة ۲۹۰۲، الترغیب والترهیب ۲۵۹) حج ہر کمزور شخص کا جہاد ہے۔

حاجیوں کی دعاؤں کی قبولیت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: اَلْحُجَّاجُ وَالْعُمَّارُ وَفْدُ اللّٰهِ دَعَاهُمْ فَاَجَابُوْهُ وَسَأَلُوْهُ فَاَعْطَاهُمْ۔ (رواه البزار ورواته ثقات، الترغیب والترهیب ۲۶۰) حج اور عمرہ کرنے والے لوگ اللہ کے مہمان ہیں، اللہ نے انہیں بلایا جس پر انہوں نے لبیک کہا اور یہ لوگ اللہ سے جو مانگیں گے اللہ تعالیٰ

انہیں عطا فرمائیں گے۔

ایک دوسری روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يُسْتَجَابُ لِلْحَاجِّ مِنْ حِيْنَ يَدْخُلُ مَكَّةَ اِلٰى اَنْ يَرْجِعَ اِلٰى اَهْلِهٖ وَفَضْلَ اَرْبَعِيْنَ۔ (البحر العميق: ۱/۶۹)

مکہ معظّمہ میں داخلے سے لے کر گھر واپسی تک حاجی کی دعا قبول ہوتی ہے اور اسے مزید چالیس دن قبولیت کے عطا ہوتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خَمْسُ دَعَوَاتٍ لاَ تُرَدُّ: (۱) دَعْوَةُ الْحَاجِّ حَتّٰى يَصْدُرَ (۲) وَدَعْوَةُ الْغَازِىْ حَتّٰى يَرْجِعَ (۳) وَدَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ حَتّٰى يَنْتَصِرَ (۴) وَدَعْوَةُ الْمَرِيْضِ حَتّٰى يَبْرَأَ (۵) وَدَعْوَةُ الْاَخِ لِاَخِيْهِ بِالْغَيْبِ، وَاَسْرَعُ هٰذِهِ الدَّعْوَاتِ اِجَابَةً دَعْوَةُ الْاَخِ لِاَخِيْهِ بِالْغَيْبِ۔ (البحر العميق ۱/۷۰)

پانچ لوگوں کی دعائیں رد نہیں ہوتیں (۱) حاجی کی دعا جب تک واپس نہ آجائے (۲) مجاہد کی دعا جب تک لوٹ نہ آئے (۳) مظلوم کی دعا جب تک کہ اس کی مدد نہ ہو (۴) مریض کی دعا جب تک شفایاب نہ ہو (۵) اور ایک مسلمان بھائی کی دوسرے بھائی کے لیے غائبانہ دعا۔ ان میں سب سے زیادہ جلدی قبول ہونے والی دعا ایک مسلمان کا دوسرے کے لیے غائبانہ دعا کرنا ہے۔

حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں: بیت اللہ میں جو شخص بھی دنیا یا آخرت کی جو بھی حاجت لے کر آئے گا اس کی حاجت روائی ضرور ہوگی۔ (البحر العمیق ۱/۷۲)

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص دنیا یا آخرت کی ضرورت کا طالب ہو تو وہ بیت اللہ شریف کا قصد کرے؛ کیوں کہ جو شخص بھی یہاں آ کر اللہ تعالیٰ سے دنیا کی کوئی حاجت طلب کرتا ہے تو اسے دنیا میں عطا کی جاتی ہے اور جو آخرت کی حاجت طلب کرتا ہے وہ اس کے لیے ذخیرہ بنا کر رکھی جاتی ہے۔ (البحر العمیق: ۱/۷)

حاجیوں سے دعاؤں کی درخواست کرنا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِذَا لَقِیْتَ الْحَاجَّ فَسَلِّمْ عَلَیْهِ وَصَافِحْهُ وَمُرْهُ اَنْ یَّسْتَغْفِرَ لَکَ قَبْلَ اَنْ یَّدْخُلَ بَیْتَهٗ، فَاِنَّهٗ مَغْفُوْرٌ لَهٗ۔ (مسند احمد ۲/۶۹، البحر العمیق ۱/۶۹)

جب تم حاجی سے ملو تو اس سے سلام ومصافحہ کرو اور اس کے اپنے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اپنے لیے استغفار کراؤ، کیونکہ وہ بخشا بخشایا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْحَاجُّ یَشْفَعُ فِیْ اَرْبَعِ مِائَةٍ مِنْ اَهْلِ بَیْتِهٖ وَیَخْرُجُ مِنْ ذُنُوْبِهٖ کَیَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ۔ (رواہ البزار، الترغیب والترھیب ۲۵۹)

حج کرنے والا شخص اپنے گھرانے کے چار سو آدمیوں کے حق میں سفارش کرے گا اور وہ اپنے گناہوں سے ایسے پاک ہو کر آتا ہے جیسے پیدائش کے وقت تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: يُغْفَرُ لِلْحَاجِّ وَلِمَنْ اسْتَغْفَرَ لَهُ الْحَاجُّ۔ (رواه البزار وابن خزيمة والحاكم، الترغيب والترهيب ٢٦٠) حاجی کی بھی مغفرت ہوتی ہے اور جس شخص کے لیے حاجی مغفرت کی دعا کرے اس کی بھی مغفرت کی جاتی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرے کے لیے جانے کی اجازت چاہی تو پیغمبر علیہ السلام نے اجازت دے دی، پھر جب وہ عمرے کے لیے تشریف لے جانے لگے تو نبی اکرم علیہ السلام نے ان سے فرمایا: يَا أُخَيَّ لَا تَنْسَنَا فِيْ دُعَائِكَ۔ (پیارے بھائی اپنی دعاؤں میں ہمیں مت بھولنا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ''یا اخی'' فرمانے سے مجھے اتنی مسرت ہوئی کہ اس کے بدلے میں اگر وہ تمام دولتیں بھی مجھے مل جاتیں جن پر سورج طلوع ہوتا تو ان کے مقابلے میں حضور کا یہ ارشاد مجھے زیادہ پسند ہے۔(البحر العميق: ١/٦٩)

مذکورہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حج اور عمرے کو جانے والوں سے دعا کی درخواست کرنی چاہیے، یہ مسنون و مستحب ہے۔

حج سے رزق میں برکت ہوتی ہے

حج کے جہاں بے شمار فوائد وثمرات ہیں، ان میں ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ حج کی بدولت اللہ تبارک وتعالیٰ رزق میں برکت عطا فرماتے ہیں اور فقر وفاقہ سے بچاتے ہیں۔حضرت عامر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حُجَجٌ تَتْرىٰ وَعُمَرٌ نَسَقٌ تَدْفَعُ مِيْتَةَ السُّوْءِ وَعَيْلَةَ الْفَقْرِ۔(البحر العميق ١/٦٧) پے درپے حج اور بار بار عمرے کرنا بری موت اور فقر کی مشقت سے بچاتا ہے۔

ایک دوسری روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حُجُّوْا تَسْتَغْنُوْا۔ (مصنف عبدالرزاق ۱۰/۵، البحر العمیق ۶۷/۱) حج کرو مستغنی رہو گے۔

ایک روایت میں آپ نے فرمایا: مَا اَمْعَرَ حَاجٌّ۔ (رواہ الفاکھی فی اخبار مکۃ، والطبرانی والبزار، البحر العمیق ۷۲/۱) حاجی کبھی فقیر نہ ہوگا، یا اس کا توشہ ختم نہ ہوگا۔

لہذا یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ حج کرنے سے ہمارا بہت سا مال ختم ہوجائے گا یا غریبی آجائے گی، یہ غلط سوچ ہے۔ حج کرنے سے مال کم نہیں ہوتا بلکہ بڑھتا ہے اور رزق میں برکت عطا ہوتی ہے۔

حج عشقیہ عبادت ہے

حج اسلام کا وہ عظیم الشان رکن ہے جس کے ہر ہر پہلو سے عشق خداوندی اور محبت ایزدی کا اظہار ہوتا ہے۔ حج کا سفر سیر وتفریح نہیں بلکہ بندے کی جانب سے جذبۂ عاشقی کا بھرپور مظاہرہ ہے۔ حاجی احرام باندھ کر گویا اعلان کرتا ہے کہ اب وہ دنیوی علائق سے آزاد ہوکر اپنے محبوب حقیقی سے وصال کے لیے رخت سفر باندھ چکا ہے۔ اب اس کی زبان پر ایک ہی رٹ ہے۔ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ (اے پروردگار میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں) وہ مکہ مکرمہ پہنچ کر دیوانہ وار بیت اللہ شریف کا طواف کرکے اپنے جذبۂ عشق کو سکون عطا کرتا ہے۔ اسی طرح اسے حکم ہے کہ وہ صفا ومروہ کے درمیان عاشقانہ ناز وانداز سے سعی کرے۔ پھر یہی عشق اسے منیٰ، عرفات اور مزدلفہ کی وادیوں میں لے جاتا ہے۔ بالآخر وہ بارگاہ ایزدی میں قربانی کرکے گویا اپنی جان کا نذرانہ محبوب کی خدمت میں پیش کردیتا ہے۔ الغرض سفر حج کا ہر لمحہ عشق ومحبت کا آئینہ دار اور بندے کی جانب سے محبوب حقیقی سے سچی انسیت کا کھلا مظاہرہ ہے، اسی لیے اس عبادت کے

فضائل بھی بے شمار اور عظیم الشان ہیں۔ (کتاب المسائل ۳/۱۷)

حج سے آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے

حج کا سفر انسان کو سفر آخرت کی یاد بھی دلاتا ہے، تمام گھر بار اور مال وجائیداد چھوڑ کر حاجی احرام باندھ کر جب روانہ ہوتا ہے تو اسے یاد کرنا چاہیے کہ ایک دن دنیا کو بھی اسی طرح چھوڑ کر جانا ہے اور اس وقت ساتھ میں اعمال کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ پھر جب وہ لبیک پڑھ کر دیوانہ وار عازمِ حرم ہوتا ہے اور ہر چہار جانب سے لبیک کی صدائیں سنائی دیتی ہیں تو یہ میدانِ محشر کی طرف لوگوں کے دوڑنے کی یاد دلاتا ہے۔ اور میدانِ عرفات کا اجتماع میدانِ محشر کی نظیر ہے، اور رمی جمار کی بھیڑ بھاڑ قیامت میں نفسا نفسی کے عالم کا منظر ہے۔ (مستفاد: البحر العمیق ۱/۳۳۹)

سفرِ حج کی اصل روح

سفرِ حج کی اصل روح پورے سفر کے دوران گناہوں سے کلی اجتناب کرنا ہے، حتی کہ اس سفر میں بہت سے ایسے امور بھی ناجائز قرار دیے جاتے ہیں جو سفر سے پہلے جائز ہوتے ہیں، مثلاً بیوی سے بے حجابی کی باتیں کرنا، زیب وزینت کرنا وغیرہ۔ دراصل حج کی قبولیت کا مدار انہی ہدایات کی پیروی کرنے پر ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے: **اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلاَرَفَثَ وَلاَ فُسُوْقَ وَلاَ جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَاتَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ**۔ (سورۃ البقرۃ: ۲۵) حج کے چند متعین مہینے ہیں، پھر جس شخص نے لازم کرلیا ان میں حج تو عورت سے بے حجاب ہونا جائز نہیں ہے اور نہ گناہ کرنا اور نہ جھگڑا کرنا حج کے زمانے میں، اور جو کچھ تم نیکی کرتے ہو اللہ اس کو جانتا

ہے۔حضرت سفیان ثوریؒ کا مقولہ ہے کہ: جس نے حج میں بے حیائی کا کام کیا اس نے گویا اپنے حج کو فاسد کر دیا۔ (احیاء العلوم: ۱/۱۶۴) یعنی اگر چہ اس کا فرض ادا ہو گیا لیکن قبولیت حاصل نہ کر سکا۔ حج کی اصل روح اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب فواحش ومنکرات اور گناہوں سے بچتے ہوئے محض اللہ کا حکم سمجھ کر اس کی رضا اور خوشنودی کے لیے حج کیا جائے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۳/۷۲)

سفرِ حج میں رائج منکرات جن سے بچنا ضروری ہے

خادمِ رسول حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پرانے کجاوے اور ایک پرانی چادر پر حج فرمایا۔ جس کی قیمت چار درہم بھی نہ تھی۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا: **اللّٰهُمْ حَجَّةً لاَرِيَاءَ فِيْهَا وَلاَسُمْعَةَ**۔ (الترغیب و الترهیب: ۲/۱۱۶، سنن ابن ماجه، حدیث: ۲۸۹۰) اے اللہ میں ایسے حج کو چاہتا ہوں جس میں کوئی ریا کاری اور شہرت کا جذبہ نہ ہو۔

آج کل حج جیسی عظیم عبادت میں ریا کاری، شہرت طلبی، اسراف اور منکرات پر مبنی بہت سی رسمیں پائی جا رہی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی پوری طرح صادق آ رہی ہے کہ: آخری زمانے میں چار طرح کے لوگ حج کریں گے، بادشاہ تفریح کی غرض سے، امراء تجارت کے مقصد سے، فقرا بھیک مانگنے کے لیے، اور قرّا و علماء شہرت طلبی کے لیے۔ (البحر العمیق ۱/۲۹۰، احیاء العلوم: ۱/۱۶۲)

آج کی صورت حال یہ ہے کہ غیر شرعی التزامات حاجی کے سفر حج پر جانے سے کافی دنوں پہلے شروع ہو جاتے ہیں، حاجی کی لمبی چوڑی دعوتیں ہوتی ہیں، کہیں قوالی کی محفلیں بھی منعقد کی جاتی ہیں، احکام حج سیکھنے اور آتش شوق میں اضافہ کرنے کے بجائے فضول

ملاقاتوں میں وقت ضائع کیا جاتا ہے، پھر جانے والے دن سارے خاندان کے افراد مرد وعورت جمع ہوتے ہیں۔اسی پر بس نہیں بلکہ ہر حاجی کو ایئر پورٹ تک چھوڑنے کے لیے پچاسوں افراد جاتے ہیں، ایئر پورٹ پر ایک میلہ سا لگا رہتا ہے جس کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ عبادت کا جذبہ کم اور سیر وتفریح کا جذبہ زیادہ ہے۔ بہت سے لوگ حج کے ارکان کی ادائیگی کے وقت جائز وناجائز کی طرف قطعاً دھیان نہیں دیتے، بیت اللہ شریف میں حجر اسود کے بوسے کے لیے اس قدر ازدحام ہوتا ہے کہ مرد وعورت کا امتیاز اور لحاظ باقی نہیں رہتا۔عورتیں مردوں کے درمیان گھس جاتی ہیں اور مرد بھی بے محابا اجنبی عورتوں پر گر پڑتے ہیں، اس طریقہ پر حجر اسود کا استلام کر کے کیا ثواب کی امید لگائی جاسکتی ہے؟ شریعت میں اس کی بھی اجازت ہے کہ اگر بوسہ لینے کا موقع نہ ہوتو دور سے اشارہ کر کے ہاتھ چوم لینے سے بھی بعینہ وہی ثواب ملتا ہے جو بوسہ لینے سے ملتا ہے۔اس مقدس اور مبارک مقام پر مذکورہ طرز عمل حد درجہ مذموم اور قابل ترک ہے۔ حج کے ہر رکن کی ادائیگی میں شائستگی کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔اسی طرح نظروں کی حفاظت کا بھی خاص طور سے اہتمام ہونا چاہیے، بعض مرتبہ ناگفتہ بہ واقعات دیکھنے میں آتے ہیں۔ پھر جیسے جیسے حج سے واپسی کا وقت قریب آتا جاتا ہے، بہت سے حاجی اپنا مابقیہ وقت طواف وزیارت سے زیادہ حرم اور مکہ کے بازاروں میں گذارنے لگتے ہیں اور وقت کو غنیمت نہ جان کر اپنے احباب اور رشتہ داروں کے لیے تحفے وتحائف خریدنے میں مصروف ہوجاتے ہیں، جو سراسر محرومی کی بات ہے، گھر والوں کے لیے تحفے لانا یا خرید وفروخت ممنوع نہیں ہے، لیکن اس میں وقت کا ضرورت سے زیادہ استعمال جذبۂ حج کے منافی ہے، اس سے بچنا لازم ہے۔ پھر جب حاجی فریضۂ حج ادا کر کے وطن واپس ہوتا ہے تو پہلے سے ہی اس کے استقبال کے لیے ایئر پورٹ پر پچاسوں لوگ موجود رہتے ہیں اور پھر بہت سے فضول

کام اور رسومات کی جاتی ہیں اور پھر گھر آ کر جو رسومات کی جاتی ہیں وہ سب بھی حج کی روح سے میل نہیں کھاتی ہیں۔ امام غزالیؒ نے لکھا ہے: حج مبرور و مقبول کی نشانی یہ ہے کہ حاجی دنیا سے بے رغبت، آخرت کی یاد میں مستغرق اور دوبارہ زیارت حرمین شریفین کا شوق لے کر لوٹے، اگر یہ جذبات نہیں ہیں تو سمجھ لے کہ اس کا حج مبرور نہیں ہے۔ (احیاء العلوم ۱/۲۶۱) حج انسان کے اعمال وافعال میں صالح انقلاب، اطاعت وفرماں برداری کی توفیق اور معاصی سے مکمل احتراز کا ذریعہ بننا چاہیے، تب ہی سفر حج کی اصل روح اور واقعی فائدہ حاصل ہوسکتا ہے۔ (کتاب المسائل ۳/ ۶۲، ۶۳)

حج میں صرف حلال پیسہ لگائیں

آج کل ہر سال دنیا بھر سے حاجیوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے، یہ اچھی بات ہے، لیکن ساتھ میں یہ بھی دھیان رہے کہ ہم حج میں صرف حلال پیسہ لگائیں اور حرام سے مکمل طور پر بچیں، حج کی قبولیت کے لیے نفقہ طیب (حلال پیسہ) اولین شرط ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جب حاجی حلال مال کے ساتھ حج کو جاتا ہے اور تلبیہ پڑھتا ہے تو آسمان سے ندا آتی ہے کہ لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ۔ تیرا توشہ حلال ہے، تیری سواری بھی حلال ہے اور تیرا حج مقبول ہے اور گناہوں سے دور ہے۔ اس کے برخلاف جب کوئی شخص حرام اور مشتبہ مال کے ساتھ حج کو جاتا ہے تو منادی کہتا ہے کہ لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ۔ تیرا توشہ حرام، تیرا خرچہ حرام، تیرا حج غیر مقبول اور موجبِ گناہ ہے۔ (رواہ الطبرانی في الأوسط، الترغیب والترھیب ۱۷۴۸)

حکم کے اعتبار سے حج کی قسمیں

حکم کے اعتبار سے حج کی پانچ قسمیں ہیں:

(۱) فرض عین: یعنی صاحب استطاعت شخص کے لئے عمر میں ایک مرتبہ حج کرنا فرض ہے۔ (البحر العمیق: ۱/۳۴۹۔ غنیة الناسک: ۱۰۔ فتاوی ھندیه: ۱/۲۱۶۔فتح القدیر: ۲/۴۱۶)

(۲) واجب: مثلاً کوئی شخص میقات سے بلا احرام آگے بڑھ گیا اور اس کی تلافی کے لیے حج کا ارادہ کیا تو یہ حج واجب کہلائے گا۔ (فتاوی شامی: ۳/۴۵۲، زکریا۔البحر الرائق ۲/۵۴۴۔مجمع الانھر: ۱/۳۸۳)

(۳) نفل: زندگی میں ایک سے زائد بار جو حج کیا جائے اور وہ واجب کی قبیل سے نہ ہو تو وہ نفلی حج کہلائے گا۔ (غنیة الناسک: ۱۰۔ردالمحتار: ۳/۴۵۲۔فتح القدیر: ۲/۴۱۷)

(۴) حرام: ناموری اور شہرت کے مقصد سے یا حرام مال سے حج کرنا حرام ہے۔ (فتاوی شامی: ۳/۵۵۳۔البحر الرائق: ۲/۵۴۴)

(۵) مکروہِ تحریمی: خدمت کے محتاج والدین کی اجازت کے بغیر حج کے لیے جانا یا اہل وعیال کے نان ونفقے کا انتظام کیے بغیر سفر حج کو جانا مکروہِ تحریمی ہے۔ (فتاوی شامی: ۳/۵۵۴۔فتح القدیر: ۲/۴۱۲۔غنیةالناسک: ۱۰)

آدمی پر حج کب فرض ہوتا ہے؟

آدمی پر حج فرض ہونے کے لیے سات شرطیں ہیں، اگر وہ سات شرطیں پائی جائیں تو حج فرض ہوگا ورنہ نہیں۔

(۱) مسلمان ہونا: لہٰذا جو شخص علانیہ کافر ہو اس پر حج کی ادائیگی فرض نہیں ہے۔ (غنیۃ الناسک: ۱۲)

(۲) حج کی فرضیت کا علم ہونا: خواہ حقیقی علم ہو یا حکمی، حکمی کا مطلب یہ ہے کہ آدمی دارالاسلام یا اسلامی ماحول میں رہتا ہو، وہاں کے رہنے والے کو حکما فرضیت کا علم رکھنے والا قرار دیا جائے گا اور اس کے لیے یہ عذر قبول نہیں ہوگا کہ مجھے علم نہ تھا۔ (غنیۃ الناسک: ۱۳)

(۳) بالغ ہونا: لہٰذا نابالغ پر حج فرض نہیں ہے اگرچہ وہ مالدار اور استطاعت والا ہو۔ (غنیۃ الناسک: ۱۶)

(۴) عاقل ہونا: لہٰذا اگر کوئی پاگل اور مجنون ہے تو اس پر حج فرض نہیں ہے۔ (غنیۃ الناسک: ۱۶)

(۵) آزاد ہونا: لہٰذا غلام پر حج فرض نہیں ہے اور اس کے حج ادا کرنے سے اس کا حج فرض ادا نہیں ہوگا، بلکہ وہ نفل ہو جائے گا۔ (غنیۃ الناسک: ۱۶)

(۶) حج کے سفر پر قادر ہونا: یعنی بدنی طاقت، سواری اور توشے کا ہونا، اگر یہ استطاعت نہیں ہے تو حج فرض نہیں ہے۔ (غنیۃ الناسک: ۱۶)

(۷) حج کا وقت ہونا: یعنی شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کا ہونا، یا اگر بہت دور دراز کا رہنے والا ہے تو ایسے وقت کا ہونا جس میں سفر کر کے حج کو جا سکے۔ (غنیۃ الناسک: ۲۲)

عورت پر حج کی فرضیت

عورت پر حج فرض ہونے کے لیے وہی شرائط ہیں جو مردوں کے لیے ہیں، یعنی تندرست ہونا اور مالی وسعت کا ہونا وغیرہ، البتہ عورت کے لیے مزید شرط یہ ہے کہ وہ

اپنے حج کے اخراجات کے ساتھ کسی محرم یا شوہر کے حج کے اخراجات کی بھی استطاعت رکھتی ہو اور ساتھ میں اس کو لے کر جائے، تنہا حج کو نہ جائے؛ لہٰذا اگر کسی عورت کے پاس صرف اپنے حج کے بقدر مال ہے، محرم یا شوہر کے حج کی استطاعت نہیں رکھتی تو راجح قول کے مطابق اس پر حج فرض نہیں ہے، تاہم اگر وہ کسی محرم یا شوہر کے ساتھ اسی پیسے سے حج کو چلی گئی تو اس کا حج فرض ادا جائے گا۔ (فتاوی شامی زکریا: ۳/۴۶۴)

حج کی ادائیگی کے وجوب کی شرطیں

حج کی فرضیت کے تمام شرائط پائے جانے کے بعد حج فرض ہوجاتا ہے، پھر حج فرض ہوجانے کے بعد جن چیزوں کے پائے جانے کے وقت بذاتِ خود حج کو جانا ضروری ہے، وہ پانچ ہیں: (۱) تندرستی: یعنی اتنا صحت مند ہونا کہ مناسک حج ادا کر سکے۔ (۲) حکومت کی طرف سے اجازت: یعنی حج کا ویزا۔ (۳) راستے کا پر امن ہونا۔ (۴) بالغ عورت کے لیے محرم یا شوہر کا ساتھ ہونا، خواہ عورت جوان ہو یا بوڑھی۔ (۵) عورت کا عدت میں نہ ہونا، خواہ عدت موت کی ہو یا طلاق کی۔ اگر یہ تمام شرائط یا ان میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو خود حج کو جانا ضروری نہیں ہے، اس لیے کہ اس کے حق میں وجوبِ ادا کی شرط نہیں پائی جا رہی ہے، اس صورت میں حج میں تاخیر کی بنا پر گناہ گار نہیں ہوگا؛ البتہ جو بھی شرط نہ پائی جائے اس کے لیے کوشش کرتا رہے، مایوسی کی صورت میں حج بدل یا حج کی وصیت کرنا صاحبین کے نزدیک ضروری ہے، اسی پر اکثر مشائخ کا فتوی ہے۔ (غنیۃ الناسک: ۲۹-۲۳۔ مناسک ملاعلی قاری: ۵۱۔ رد المحتار: ۳/۴۵۵۔ اعلاء السنن: ۱۰/۷۔ فتاوی ہندیہ: ۱/۲۱۸۔ البحر الرائق: ۲/۳۰۸)

حج کی ادائیگی کی صحت کی شرطیں

حج کی فرضیت کے تمام شرائط اور وجوب ادا کی تمام شرطیں پائے جانے کے بعد حج کو جانا ضروری ہے۔ پھر حج کی ادائیگی صحیح ہونے کے لیے نو شرطیں ہیں: (۱) مسلمان ہونا: لہٰذا اگر کوئی کافر حج کرلے تو اس کا حج معتبر نہیں ہے۔ (۲) حج کا احرام باندھنا: لہٰذا احرام کے بغیر مناسک حج ادا کرنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ (۳) حج کا زمانہ پایا جانا: یعنی حج کے مہینے (شوال، ذی قعدہ، ذی الحجہ) اور ایام حج (۸/تا۱۲ ذی الحجہ) میں حسب تفصیل مناسک حج ادا کرنا، ان ایام واوقات کے علاوہ میں مناسک حج ادا کرلیے گئے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ (۴) مقامات مقدسہ: مسجد حرام، بیت اللہ، منی، عرفات اور مزدلفہ وغیرہ میں مناسک ادا کرنا؛ لہٰذا ان مقامات کے علاوہ میں مناسک کی ادائیگی کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ (۵) امتیاز کی صلاحیت: یعنی حج کرنے والا اتنا شعور رکھتا ہو کہ وہ حج اور دیگر افعال میں تمیز کرسکے۔ (۶) عاقل ہونا: لہٰذا اگر مجنون اور پاگل شخص حج کرلے تو اس کا حج فرض ادا نہیں ہوگا۔ (۷) ارکانِ حج خود ادا کرنا: لہٰذا بلا عذر اگر ارکان خود ادا نہیں کیے تو حج درست نہیں ہوگا۔ (عذر کی صورت کی تفصیلات الگ ہیں)۔ (۸) احرام کی حالت میں جماع نہ کرنا: اس لیے کہ وقوف عرفہ سے قبل جماع کرنے سے حج فاسد ہوجاتا ہے۔ (۹) جس سال احرام باندھا ہے اسی سال حج کرنا: لہٰذا اگر اس سال میں حج ادا نہ کیا تو اس احرام سے اگلے سال حج ادا کرنا درست نہیں ہوگا۔ (غنیۃ الناسک: ۳۰۔فتاوی شامی ۳/۴۵۶۔منحۃ الخالق:۲/۵۳۸ زکریا۔البحر الرائق زکریا: ۲/۵۵۹)

حج کے فرائض

حج کے اندر کچھ اعمال فرض ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی چھوٹ جائے تو حج صحیح نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کی تلافی دم وغیرہ کے ذریعے ہوسکتی ہے۔ حج کے اصلاً تین فرائض ہیں: (۱) احرام باندھنا: احرام کے بغیر حج درست نہیں ہوگا۔ (۲) ۹ / ذی الحجہ کو زوال آفتاب کے وقت سے ۱۰ / ذی الحجہ کی صبح صادق تک عرفہ میں کسی وقت ٹھہرنا، چاہے ایک ہی منٹ کیوں نہ ہو۔ وقوف عرفہ کے بغیر حج درست نہیں ہوگا۔ (۳) طواف زیارت کرنا: طواف زیارت کے بغیر حج ادا نہیں ہوگا۔ (غنیۃ الناسک: ۴۴۔ فتاوی شامی زکریا: ۳/۴۶۸۔ فتاوی تاتارخانیہ: ۳/۴۷۸۔ بدائع الصنائع: ۲/۳۰۲۔ الموسوعۃ الفقھیۃ: ۱۷/۴۹۔ مناسک ملا علی قاری: ۶۸)

حج کے فرائض سے ملحق افعال

یہ دو چیزیں بھی فرائض حج کے ساتھ ملحق ہیں: (۱) وقوفِ عرفہ سے پہلے احرام کی حالت میں بیوی سے صحبت نہ کرنا۔ لہذا اگر وقوف عرفہ سے پہلے جماع کرلیا تو حج فاسد ہوجائے گا اور اس کی تلافی کی بھی کوئی شکل نہیں ہوگی۔ البتہ وقوف عرفہ کے بعد جماع کی تلافی ممکن ہے۔ (غنیۃ الناسک: ۴۵) (۲) احرام، وقوف عرفہ اور طواف زیارت میں ترتیب؛ لہذا اگر ان میں کسی بھی طرح ترتیب الٹ گئی تو حج درست نہیں ہوگا۔ (فتاوی شامی زکریا ۳/۴۶۹)

علامہ شامی علیہ الرحمہ نے مذکورہ دو باتوں کے علاوہ ان امور کو بھی فرائض کے ساتھ ملحق کیا ہے: (۱) طواف زیارت میں مطلق طواف کی نیت۔ (۲) ہر فرض کو اپنے وقت

میں ادا کرنا۔(۳) وقوف عرفہ کی جگہ میدان عرفات مخصوص ہونا اور طواف زیارت کی جگہ مسجد حرام متعین ہونا۔ (فتاوی شامی زکریا: ۳/۴۶۹)

حج کے واجبات

حج میں کچھ اعمال واجب ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی بلا عذر ادائیگی سے رہ جائے تو دم واجب ہوگا اور حج درست ہوجائے گا، چاہے قصداً چھوڑا ہو یا بھول کر۔ البتہ قصداً چھوڑنے کی صورت میں گناہ گار رہوگا۔ اور اگر کسی معقول عذر کی وجہ سے واجب چھوٹا ہے تو حکم میں تخفیف ہوگی۔ حج کے واجبات اصلاً چھ ہیں: (۱) وقوف مزدلفہ: جس کا وقت ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کی صبح صادق سے طلوع آفتاب کے درمیان ہے۔ (۲) صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا۔ (۳) رمی جمار کرنا۔ (۴) حج قران اور تمتع کرنے والے کو دم شکر دینا۔ (۵) حلق یا قصر کرانا۔ (۶) آفاقی کو طواف وداع کرنا۔ (غنیۃ الناسک: ۴۵۔ بدائع الصنائع: ۲/۳۱۶۔ فتاوی ھندیہ: ۱/۲۱۹۔ در مختار مع الشامی: ۳/۴۷۳۔ فتاوی خانیہ: ۱/۲۹۸۔ مناسک ملا علی قاری: ۷۲۔ البحر الرائق: ۲/۵۳۹)

حج کے واجبات سے ملحق افعال

حج کے اصل واجبات کے ساتھ بہت سے واجبات ملحق ہیں۔ ان کا حکم بھی وہی ہے جو واجبات کا ہے، جیسے ممنوعات احرام سے بچنا، مثلاً: وقوف عرفہ کے بعد جماع کرنے، سلا ہوا کپڑا پہننے، سر اور چہرہ ڈھانکنے سے بچنا وغیرہ۔ ان تمام ملحقات کو ملا کر حج کے واجبات کی تعداد ۳۵ تک پہنچ جاتی ہے۔ (غنیۃ الناسک: ۴۶۔ در مختار مع الشامی: ۳/۴۷۳۔ مراقی الفلاح جدید: ۷۲۹۔ ملتقی الابحر: ۱/۳۷۹۔ مناسک ملا علی قاری: ۷۲)

حج کی سنتیں

حج کے اندر بہت سے اعمال مسنون ہیں، جن کو جان بوجھ کر چھوڑنا برا ہے، لیکن ان کے چھوٹ جانے سے کوئی جزا لازم نہیں ہوتی ہے۔ حج کے مسنون اعمال میں سے چند اہم یہ ہیں: (۱) احرام باندھنے کے لیے غسل کرنا۔ (۲) حج کے مہینوں میں احرام باندھنا۔ (۳) تلبیہ پڑھنا: جس کے الفاظ یہ ہیں: **لَبَّیْک اللّٰھُمَّ لَبَّیْک، لَبَّیْک لا شریک لک لبیک، إنَّ الحمْدَ و النِّعمةَ لک و الملک، لا شریک لک۔** (صحیح بخاری: ۱/۲۱۰) (۴) حج افراد کرنے والے آفاقی اور قارن کو طوافِ قدوم کرنا۔ (۵) طواف قدوم میں رمل کرنا، اگر اس میں رمل نہ کرسکے تو طوافِ زیارت یا طواف وداع میں رمل کرنا۔ (۶) طواف کرتے وقت بدن اور کپڑے کا نجاست حقیقیہ سے پاک وصاف ہونا۔ (۷) صفا اور مروہ کی سعی کے دوران میلین اخضرین کے درمیان دوڑنا، (مردوں کے لیے)۔ (۸) حجر اسود سے طواف شروع کرنا۔ (۹) امام کا تین مقام پر خطبہ دینا، ساتویں ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ میں، نویں ذی الحجہ کو عرفہ میں، اور گیارہویں ذی الحجہ کو منی میں۔ (۱۰) نوی ذی الحجہ کی رات کو منی میں قیام کرنا۔ (۱۱) نوی ذی الحجہ کو طلوع آفتاب کے بعد منی سے عرفات جانا۔ (۱۲) عرفات سے امام کے چلے جانے کے بعد نکلنا۔ (۱۳) عرفات میں غسل کرنا۔ (۱۴) ایام منی میں رات منی میں ہی گذارنا۔ (۱۵) تینوں جمرات کی رمی میں ترتیب باقی رکھنا۔ (غنیة الناسک:۴۷۔ حاشیة الطحطاوی علی المراقی اشرفیه ۷۳۰۔ مناسک ملا علی قاری:۷۴۔ فتاوی تاتارخانیه ۳/۵۰۶)

ادائیگی کے اعتبار سے حج کی قسمیں

حج کی ادائیگی کے تین طریقے ہیں:

(۱) **حج افراد**: اس میں میقات سے صرف حج کا احرام باندھا جاتا ہے اور صرف حج ادا کیا جاتا ہے اور ارکانِ حج کی ادائیگی کے بعد احرام کھول دیا جاتا ہے۔ اس میں عمرہ نہیں ہوتا۔ ہاں اگر حج کی ادائیگی کے بعد کوئی عمرہ کرلے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ (لغة الفقهاء: ۴۴۶۔ غنية الناسک: ۲۱۱۔ در مختار مع الشامی: ۳/۴۸۹)

(۲) **حج تمتع**: تمتع یہ ہے کہ آفاقی (حدودِ حل وحرم یعنی میقات کے باہر سے آنے والا شخص) حج کے مہینوں میں اپنی میقات سے صرف عمرے کا احرام باندھے اور عمرہ کرکے احرام کھول کر حلال ہوجائے، پھر اسی سفر میں المام تام (وطن اصلی کی طرف لوٹے بغیر) حج کے ایام میں حج کا احرام الگ سے باندھ کر حج کرلے۔ (در مختار مع الشامی: ۳/۵۶۱۔ فتاوی هندیه: ۱/۲۳۸۔ فتاوی خانیة: ۱/۳۰۴۔ فتاوی تاتارخانیه: ۳/۶۲۱)

(۳) **حج قران**: اس کا مطلب یہ ہے کہ آفاقی شخص حج کے مہینوں میں ایک ساتھ حقیقۃً یا حکماً عمرہ اور حج دونوں کے احرام کی نیت کرلے، اور مکہ معظّمہ آکر عمرہ کرنے کے بعد احرام ہی کی حالت میں رہے، احرام کھولے نہیں، بلکہ حج کے مناسک کی ادائیگی کے بعد احرام کھولے؛ یعنی ایک ہی احرام سے حج اور عمرہ دونوں کرے۔ (فتاوی هندیه ۱/۲۳۷۔ فتاوی خانیة: ۱/۳۰۱۔ مراقی الفلاح: ۳۳۹۔ در مختار مع الشامی: ۳/۵۵۴)

نوٹ: حدودِ حرم اور حدودِ حل میں رہنے والوں کے لیے حج کے مہینوں میں حج اور عمرے کو جمع کرنا یعنی حج تمتع یا حج قران کرنا ممنوع ہے، اگر انہوں نے حج تمتع یا قران کرلیا تو گنہگار ہوں گے اور جنایت میں دم واجب ہوجائے گا، لہٰذا وہ صرف حج افراد

کریں۔ حدودِ حرم وحل یعنی میقات سے باہر رہنے والے حج افراد نہیں کریں گے، بلکہ حج تمتع یا قران کریں گے۔ پھر حنفیہ کے نزدیک آفاقی کے لیے حج قران افضل ہے، لیکن چونکہ حج قران میں احرام کی مدت تمتع کے مقابلے میں لمبی ہوتی ہے جس میں احرام کی پابندیوں کی رعایت کرنا عام لوگوں کے لیے بہت مشکل ہوجاتا ہے، اس لیے متأخرین فقہاء نے آفاقی کے لیے تمتع کو افضل قرار دیا ہے، تاکہ حج کوتاہیوں سے محفوظ رہے۔

(مناسک ملا علی قاری: ۲۶۹۔ کنز الدقائق: ۲/۶۴۰۔فتاوی شامی بیروت: ۳/۴۹۱۔ منحۃ الخالق: ۲/۶۲۶)

حج تمتع کے افعال

آفاقی یعنی حدودِ حل وحرم (میقات) کے باہر سے آنے والے لوگ چاہے وہ سعودی ہوں یا دیگر ملکوں کے رہنے والے، مثلاً ہندوستانی، پاکستانی، افغانی، مصری، شامی، افریقی، یوروپی وغیرہ حنفی المسلک عموماً حج تمتع کرتے ہیں۔ حج تمتع کے افعال مع احکام ذیل میں نمبروار درج ہیں۔

۱	عمرے کا احرام	شرط
۲	عمرے کا طواف	فرض
۳	رمل واضطباع	سنت
۴	عمرے کی سعی	واجب
۵	سرمنڈانا یا کتروانا	واجب
۶	حج کا احرام باندھنا	شرط

۷	قیام منی (از ظہر ۸/ذی الحجہ تا فجر ۹/ذی الحجہ)	سنت
۸	وقوف عرفہ (۹/ذی الحجہ)	فرض
۹	وقوف مزدلفہ (۱۰/ذی الحجہ)	واجب
۱۰	آخری جمرہ کی رمی (۱۰/ذی الحجہ)	واجب
۱۱	قربانی	واجب
۱۲	سر منڈانا یا کتروانا	واجب
۱۳	طواف زیارت	فرض
۱۴	حج کی سعی	واجب
۱۵	تینوں جمرات کی رمی (۱۱-۱۲/ذی الحجہ)	واجب
۱۶	منی میں شب گذاری (۱۱-۱۲/ذی الحجہ)	سنت
۱۷	طواف وداع	واجب

حج کے لیے سعودی حکومت کی اجازت

انتظامات کے پیشِ نظر سعودی حکومت کی طرف سے ہر سال محدود افراد کو حج کی اجازت ہوتی ہے، دنیا کے ہر ملک میں مسلم آبادی کے تناسب سے حج کے لیے ویزوں کی تعداد مقرر ہے، مقررہ تعداد سے زیادہ ویزے نہیں دیے جاتے ہیں، اسی طرح ویزے کے حصول کے لیے دیگر بہت سی شرطیں لازمی ہیں جن کو پورا کیے بغیر ویزا ملنا مشکل ہوتا ہے۔ بیرون ممالک کے لوگوں اور سعودی عرب میں رہائش پذیر لوگوں کے لیے حکومت کے جائز قوانین کی پابندی شرعا ضروری ہے، لہٰذا حج ادا کرنے کے لیے حکومت

کی اجازت یعنی حج کا ویزا لینا بھی ضروری ہے، حکومت کی اجازت کے بغیر حج ادا کرنا مناسب نہیں ہے، اگر کسی نے کرلیا تو حج تو بہر حال ادا ہوجائے گا، لیکن قانون کی خلاف ورزی کرنے کا گناہ ہوگا؛ اور ایسا شخص حکومت کی گرفت میں بھی آسکتا ہے، جس کی وجہ سے بڑی پریشانیوں کا سامنا ہوسکتا ہے، کیونکہ جگہ جگہ حکومت کی طرف سے سخت تفتیش ہوتی ہے اور پولیس انتظامیہ بھی خوب حرکت میں رہتی ہے، غیر قانونی طور پر حج کرنے والے اکثر حکومت کی گرفت میں آہی جاتے ہیں؛ لہذا مشکلات سے بچتے ہوئے اور قانون کی پاسداری کرتے ہوئے ضروری ہے کہ حکومت کی اجازت سے ہی حج ادا کیا جائے۔

اگر کسی شخص پر حج فرض ہے لیکن کوشش کے باوجود حج کا ویزا نہیں مل پا رہا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ ہر سال ویزے کے حصول کی کوشش کرتا رہے، اس بنا پر اسے حج میں تاخیر کا گناہ نہیں ہوگا، اور زندگی سے مایوس ہونے کی صورت میں حج کی وصیت کر کے جائے۔ (مستفاد: ردالمحتار: ۴۲۲/۵۔ الاشباہ والنظائر)

حج کے سفر کے آداب

جب کوئی شخص حج کے سفر کا ارادہ کرے تو اسے کچھ باتوں کا ضرور خیال رکھنا چاہیے: (۱) اللہ تعالی سے اپنے تمام گناہوں کی معافی مانگے۔ (۲) اگر اپنے اوپر کسی کا جانی یا مالی حق ہو تو اسے ادا کرے یا معاف کرائے، اگر اہل حقوق وفات پا گئے ہوں تو ان کے لیے دعا واستغفار کرے اور مالی حقوق ان کے وارثین کو ادا کرے، اگر وارث کا پتہ نہ چلے تو اتنی رقم غریبوں پر صدقہ کردے۔ (۳) والدین وغیرہ کی رضا مندی سے سفر کرے۔ (۴) اپنے پاس اگر کوئی امانت یا کرایہ کی چیز رکھی ہو تو وہ مالک کو واپس

لوٹادے۔(۵) اپنے اوپر دوسروں کے حقوق مثلاً قرض وغیرہ اور دوسروں پر اپنے حقوق کے بارے میں تحریری وصیت لکھ کر جائے۔(٦) استخارہ کر کے سفر کا آغاز کرے، تاکہ ہر ہر قدم پر اللہ تعالیٰ کی مدد شامل رہے۔(۷) بہتر ہے کہ کسی نیک رفیق سفر کو ساتھ لے لے، جو دینی و دنیوی اعتبار سے اس کا معاون ہو۔(۸) حج کے ضروری مسائل اور مناسک سیکھ کر سفر شروع کرے، یا کسی معتبر عالم کے قافلے میں شامل ہو کر سفر کرے۔(۹) بہتر ہے کہ سفر میں خالص عبادت کی نیت ہو، تجارت وغیرہ مقصود نہ ہو۔(۱۰) دورانِ سفر ضروری چیزوں کی خریداری وغیرہ میں فراخ دلی سے کام لے، کیوں کہ حج کے سفر میں ہر روپیے کے بدلے سات لاکھ روپیے خرچ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔(۱۱) زیادہ تر باوضو رہنے کی کوشش کرے، اور پاکی کی حالت میں سونے کا اہتمام کرے۔(۱۲) زبان کو غیر ضروری باتوں سے محفوظ رکھے۔(۱۳) جمعرات کے روز سفر کا آغاز مسنون ہے۔(۱۴) جب سفر کا ارادہ کرے تو اپنے گھر میں دو رکعت نماز سفر کی نیت سے پڑھے اور اس طرح گھر سے نکلے کہ گویا دنیا چھوڑ کر جا رہا ہے۔(۱۵) دورانِ سفر ذکر و اذکار اور دعاؤں کی کثرت کا اہتمام کرے، کیوں کہ مسافر کی دعا قبول ہوتی ہے۔(۱٦) سفر میں غصہ گرمی وغیرہ سے اجتناب کرے، نرم روی اور حسن خلق کا مظاہرہ کرے، بھیڑ کی جگہوں پر شائستگی کا خیال رکھے۔(۱۷) حتی الامکان سفر میں اکیلا رہنے سے بچے، ساتھیوں کے ساتھ رہنے کا اہتمام کرے، کیوں کہ تنہا ہونے کی وجہ سے بسا اوقات بہت پریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔

(غنیۃ الناسک: ۳۴-۴۰۔ الفتاوی التاتارخانیة: ۳/ ۴۸۰۔ الفتاوی الھندیة ۱/ ۲۱۹۔ فتح القدیر: ۲/ ۴۱۲۔البحر الرائق ۲/ ۵۴۱)

حج کرنے کا طریقہ

مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری دامت برکاتہم نے ''کتاب المسائل'' میں حج کرنے کا مکمل طریقہ نہایت شاندار، مختصر اور جامع انداز میں بیان فرمایا ہے۔ معمولی حذف واضافہ کے ساتھ اس کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

احرام کہاں سے باندھیں؟

اگر سیدھے مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ ہو تو جہاز میں سوار ہونے سے پہلے ایئر پورٹ پر احرام باندھ لیں اور تلبیہ پڑھنا شروع کر دیں۔ اگر جہاز پر سوار ہونے سے پہلے احرام نہیں باندھا ہے تو جدہ پہنچنے سے تقریباً آدھا گھنٹہ پہلے ضرور احرام باندھ لیں، اس لیے کہ ہندوستان وغیرہ سے جانے والا ہوائی جہاز عموماً ''قرن المنازل'' کی میقات یا اس کی محاذات سے گذر کر جدہ پہنچتا ہے۔ اس مقام سے گذرنے سے پہلے حاجی کو بہرحال احرام باندھ لینا ضروری ہے۔

اگر پہلے مدینہ منورہ جانے کا نظام ہو تو یہاں سے احرام باندھنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ جب مدینہ منوّرہ سے مکہ مکرمہ جانا ہو تو ''ذوالحلیفہ'' سے احرام باندھیں۔

احرام باندھنے کا مسنون طریقہ:

احرام باندھنے سے پہلے حجامت بنوانا، ناخون کترنا، بغل اور زیرناف بال صاف کرنا اور احرام کی نیت سے غسل کرنا سنت ومستحب ہے، اگر غسل کا موقع یا انتظام نہ ہو تو وضو کر لیں اور وضو کا بھی موقع نہ ہو تو بے وضو بھی احرام کی نیت کر سکتے ہیں۔

غسل یا وضو کے بعد مرد حضرات سلا ہوا کپڑا اُتار دیں اور ایک تہبند باندھ لیں، اس پر ایک چادر اوڑھ لیں، یہ دونوں چادریں سفید اور نئی ہوں تو بہتر ہے۔ اگر تہبند درمیان سے سی لیا جائے تو بھی جائز ہے، جو حضرات بغیر سلی ہوئی لنگی پہننے کے عادی نہیں ہیں وہ اگر ستر کھلنے کے اندیشے سے سلی ہوئی لنگی پہنیں تو اس میں بھی حرج نہیں ہے۔ خوشبو لگائیں مگر کپڑے پر داغ نہ لگنے پائے۔

خواتین احرام کے لیے اپنے سلے ہوئے کپڑے نہ اتاریں، ان کا احرام صرف یہ ہے کہ وہ اپنا سر ڈھانک لیں، چہرہ کھولے رکھیں اور احرام کی نیت کر لیں۔ ساتھ ہی پردے کا بھی اہتمام رکھیں۔ آج کل ایک خاص قسم کا کپڑا جسے عورتیں سر کے بالوں پر باندھتی ہیں، انہوں نے اسے احرام کا نام دیا ہوا ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے، اس کپڑے یا رومال کا نام احرام نہیں ہے، بلکہ یہ صرف بالوں کی حفاظت کے لیے باندھا جاتا ہے۔

احرام کی تیاری کے بعد اگر مکروہ وقت نہ ہو تو دو رکعت نماز نفل احرام کی نیت سے پڑھ لیں، بہتر ہے کہ پہلی رکعت میں ''سورۂ کافرون'' اور دوسری رکعت میں ''سورۂ اخلاص'' پڑھیں؛ اس نماز کو سر ڈھانک کر پڑھنا افضل ہے، کیونکہ ابھی احرام کی پابندیاں شروع نہیں ہوئیں ہیں۔

اگر اس وقت خواتین ناپاکی کے ایام میں ہوں تو وہ نماز نہ پڑھیں، بلکہ ویسے ہی احرام کی نیت کر کے تلبیہ پڑھ لیں۔

مرد حضرات نماز سے فارغ ہو کر سر کھول لیں اور اس کے بعد حج کی تینوں قسموں (افراد، قران، تمتع) میں سے جس کی ادائیگی کا ارادہ ہو، اس کی نیت کر لیں۔ مثلاً اگر ''حج افراد'' کا ارادہ ہے تو اس طرح کہیں: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُرِيْدُ الْحَجَّ فَيَسِّرْهُ لِيْ وَتَقَبَّلْهُ مِنِّي۔

اے اللہ! میں حج کا ارادہ کرتا ہوں، اسے میرے لیے آسان کیجیے اور قبول فرمائیے۔ اور اگر ''حج قران'' کا ارادہ ہو تو یوں کہیں: **اَللّٰھُمَّ اِنِّيْ اُرِیْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ فَیَسِّرْھُمَا لِيْ وَتَقَبَّلْھُمَا مِنِّيْ**۔ اے اللہ! میں حج اور عمرہ دونوں اکٹھا ادا کرنا چاہتا ہوں، ان کو میرے لیے آسان فرما دیجیے، اور قبول فرما لیجیے۔ اور اگر ''حج تمتع'' کا ارادہ ہے تو یوں کہیں: **اَللّٰھُمَّ اِنِّيْ اُرِیْدُ الْعُمْرَۃَ فَیَسِّرْھَا لِيْ وَتَقَبَّلْھَا مِنِّيْ**۔ اے اللہ میں عمرہ کرنا چاہتا ہوں، اس کو آسان کر دیجیے اور قبول فرما لیجیے۔ واضح رہے کہ ان کلمات کو زبان سے کہنا ضروری نہیں ہے، بلکہ دل میں نیت کر لینا بھی کافی ہے۔

اس کے بعد مرد بلند آواز سے اور عورتیں آہستہ آواز سے تین مرتبہ ''تلبیہ'' پڑھیں۔ تلبیہ کے الفاظ یہ ہیں:

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَ الْمُلْکَ، لَاشَرِیْکَ لَکَ۔
(صحیح بخاري: ۱۵۴۹/۱)

حاضر ہوں اے اللہ! میں حاضر ہوں، حاضر ہوں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے، میں حاضر ہوں، ساری تعریفیں اور سب نعمتیں صرف آپ ہی کے لیے ہیں اور بادشاہی بھی آپ ہی کے لیے ہے، آپ کا کوئی شریک نہیں ہے۔

نیت کے ساتھ تلبیہ کہنے کے بعد اب باقاعدہ ''محرم'' بن گئے اور احرام کی ساری پابندیاں شروع ہو گئیں۔

واضح رہے کہ احرام شروع کرنے کے لیے صرف نیت یا صرف تلبیہ کافی نہیں ہے، بلکہ تلبیہ اور نیت دونوں کا ہونا شرط ہے۔

تلبیہ کے بعد جو چاہے دعا مانگیں، یہ جامع دعا مانگنی مستحب ہے: **اَللّٰھُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُکَ رِضَاکَ وَالْجَنَّۃَ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ غَضَبِکَ وَالنَّارِ**۔ اے اللہ! میں آپ

کی خوشنودی اور جنت کا طلب گار ہوں اور آپ کے غصے اور دوزخ سے پناہ چاہتا ہوں۔

احرام شروع ہوجانے کے بعد بہت سی چیزیں جو پہلے حلال تھیں وہ بھی حرام ہوجاتی ہیں۔مثلاً خوشبو لگانا، بدن کی ہیئت پر سلا ہوا لباس پہننا، بال یا ناخن کاٹنا، سر یا منھ ڈھانکنا، جوں مارنا، شکار کرنا، بیوی سے جماع کرنا یا بے حجابی کی باتیں کرنا وغیرہ۔

حج تمتع کی صورت میں مکہ معظّمہ پہنچ کر عمرے کا طواف شروع کرنے سے پہلے تلبیہ پڑھنا بند کردیا جائے گا۔اور حج افراد اور حج قران میں یہ تلبیہ ۱۰؍ذی الحجہ کو جمرہ عقبہ (جسے بڑا شیطان بھی کہا جاتا ہے) کی رمی تک جاری رہے گا۔ جب تک بھی تلبیہ کا حکم باقی رہے کثرت سے اور پورے ذوق وشوق سے پڑھنا چاہیے، پڑھتے وقت اس کے معنی کا ضرور استحضار رکھیں اور یہ تصور کریں کہ ایک عاشق بے نوا اپنے مہربان آقا کے دربار میں حاضر ہے۔

بیت اللہ میں حاضری:

مکہ معظّمہ پہنچنے اور رہائش وغیرہ کے انتظامات مکمل ہونے اور فی الجملہ یکسوئی میسر آنے پر اب حرم شریف میں حاضری کے لیے تیار ہوجایئے۔

بیت اللہ شریف پر نظر پڑتے ہی خوب دل جمعی اور گریہ وزاری کے ساتھ دعا کریں۔ یہ دعا کی قبولیت کا موقع ہے۔

اگر آپ نے حج افراد کا احرام باندھا ہے تو بیت اللہ میں حاضری کے بعد فوراً طواف قدوم کریں۔اور اگر حج تمتع یا حج قران کا احرام باندھا ہے تو جاتے ہی پہلے عمرے کا طواف کریں، حج تمتع کرنے والے کے لئے طواف قدوم کا حکم نہیں ہے؛ اور حج قران کرنے والا عمرے کے بعد طواف قدوم کرے گا۔

تمتع اورقران کرنے والا شخص طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل (جھپٹ کر چلنا) اور ساتوں چکروں میں اضطباع (احرام کی چادر کو داہنی بغل سے نکال کر بائیں کاندھے پر ڈالنا، اسے کندھا کھولنا بھی کہتے ہیں) کرے گا؛ اوراس کے بعد عمرے کی تکمیل کے لیے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرے گا۔

حج افراد کرنے والا اگر طواف قدوم کے بعد ہی حج والی سعی کرنا چاہے تو اسے بھی طواف قدوم میں رمل اور اضطباع کرنا پڑے گا۔

واضح رہے کہ رمل اور اضطباع مَردوں کے لیے ہر اس طواف میں مسنون ہے جس کے بعد سعی کا ارادہ ہو۔

عورتوں کے لیے رمل اور اضطباع کا حکم نہیں ہے، بعض عورتیں طواف میں مَردوں کی طرح رَمل کرتی (جھپٹ کر چلتی) دیکھی جاتی ہیں، یہ صحیح نہیں ہے، اس سے احتراز کریں۔

طواف اور حجر اسود کا استلام:

طواف کی ابتدا اور انتہا حجرِ اسود کے استلام (بوسہ لینے) سے ہوتی ہے۔ بیت اللہ شریف کی طرف سینہ کرکے اس طرح کھڑے ہوں کہ حجر اسود دائیں جانب ہو۔ پھر طواف کی نیت اس طرح کریں کہ ''اے اللہ! میں تیرے مقدس گھر کے سات چکروں کے طواف کی نیت کرتا ہوں، خالص تیری رضا اور خوشنودی کے لیے، لہٰذا اسے میرے لیے آسان کرکے قبول فرما''۔

نیت کرنے کے بعد دائیں طرف چلیں اور حجر اسود کے بالکل سامنے آجائیں یعنی چہرہ اور سینہ حجر اسود کی طرف کرکے کھڑے ہوجائیں اور پھر نماز کی طرح ہاتھ اُٹھاتے ہوئے ''**بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ**'' پڑھیں۔

اس کے بعد حجر اسود کا استلام کریں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اگر حجر اسود تک پہنچنے کا موقع مل جائے تو اس پر اپنا منہ دونوں ہاتھوں کے بیچ میں اس طرح رکھیں جیسے نماز میں سجدے میں رکھا جاتا ہے اور نرمی کے ساتھ بوسہ دیں۔ اور اگر بھیڑ کی وجہ سے حجرِ اسود تک نہ پہنچ سکیں تو پھر وہیں سامنے کھڑے دُور سے دونوں ہتھیلیاں حجرِ اسود کی طرف اس خیال سے کریں کہ وہ حجرِ اسود پر رکھی ہوئی ہیں پھر ان ہاتھوں کو چوم لیں۔ استلام کے وقت یہ کلمات پڑھیں: **اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ**۔ دُور سے استلام کرنے میں بھی اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا قریب سے بوسہ لینے میں۔ اس لیے زیادہ بھیڑ میں جانے کی کوشش نہ کریں، خاص کر خواتین حتی الامکان غیر مَردوں سے اختلاط سے بچنے کا اہتمام کریں۔

استلام کرنے کے بعد فوراً اپنا چہرہ، سینہ اور قدم دائیں طرف موڑ کر اس طرح چلنا شروع کریں کہ حجرِ اسود بائیں مونڈھے کی طرف آجائے۔ اور چکر کے دوران رُخ بیت اللہ شریف کی طرف نہ کریں، بلکہ نظر نیچے کیے ہوئے گولائی میں چلتے رہیں۔

جب ایک چکر پورا ہوجائے اور دوبارہ حجر اسود پر پہنچیں تو پھر حجرِ اسود کا استلام کریں۔ اسی طرح ساتوں چکر پورے کریں۔

ہر چکر میں جب بھی رکن یمانی پر پہنچیں تو اگر قریب ہو تو سینہ اور قدم بیت اللہ شریف کی طرف کیے بغیر دونوں ہاتھوں یا صرف دائیں ہاتھ سے رکن یمانی کو چھونا سنت ہے، لیکن اس وقت ہاتھوں کو بوسہ نہیں دیا جائے گا؛ اور اگر بھیڑ کی وجہ سے قریب جانا مشکل ہو تو دُور سے اشارہ وغیرہ نہ کیا جائے بلکہ وہاں سے ویسے ہی گذر جائیں۔ آج کل بہت سے لوگ دوسروں کی دیکھا دیکھی رُکن یمانی سے گذرتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر پڑھتے ہیں اور ہاتھوں کو بوسہ دیتے ہیں، یہ خلافِ سنت ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔

طواف کے ساتوں چکروں میں باوضو رہنا ضروری ہے، اگر پہلے چار چکروں کے دوران وضوٹوٹ جائے تو وضو کر کے ازسرنو طواف کرنا ہوگا۔ اگر چار چکروں کے بعد وضوٹوٹا ہے تو اختیار ہے، خواہ وضو کر کے بقیہ چکر پورے کرے یا ازسرنو طواف کرے۔

طواف کے دوران ذکر واذکار، تسبیحات، دینی گفتگو یا جو بھی دعا یاد ہو وہ کی جاسکتی ہے۔ متعین دعائیں پڑھنا ہی ضروری نہیں ہے۔ البتہ جو دعا بھی پڑھیں اتنی آہستہ پڑھیں کہ دوسروں کی عبادت میں خلل نہ پڑے، آج کل طواف کے دوران جماعت بنا کر اور چیخ چیخ کر جو دعائیں پڑھی جاتی ہیں، یہ طریقہ غلط ہے۔ اس سے دوسروں کی عبادت میں خلل پڑتا ہے۔

طواف کے دوران جب رُکن یمانی سے گذریں تو حجرِ اسود تک پہنچتے پہنچتے درج ذیل دعا پڑھنا حدیث سے ثابت ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔ رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ (سنن ابن ماجہ ۱۸۲/۴)

اے اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں عافیت اور معافی کا خواستگار ہوں۔ اے ہمارے رب! ہم کو دنیا اور آخرت میں بھلائی سے سرفراز فرما اور ہم کو جہنم کے عذاب سے بچالے۔

اگر طواف میں اضطباع (دایاں کندھا کھولنا) کیا گیا ہے تو طواف کے بعد سب سے پہلے اضطباع کی کیفیت ختم کرلیں اور اپنے دونوں مونڈھے احرام کی چادر سے ڈھک لیں۔ کیونکہ اضطباع صرف طواف کی حالت میں ہی مسنون ہے، اس سے پہلے یا بعد میں مسنون نہیں ہے۔

طواف کے سات چکر پورے ہونے پر دو رکعت نماز ''واجب الطواف'' پڑھنا

ضروری ہے۔ ہاں اگر مکروہ وقت ہو تو یہ بھی جائز ہے کہ طواف پر طواف کرتے رہیں اور مکروہ وقت گذرنے کے بعد سب طوافوں کی الگ الگ نمازیں ترتیب وار پڑھ لیں۔

طواف کے دوران نمازیوں کے آگے سے گذرنا منع نہیں ہے۔ اور طواف کے علاوہ حالت میں بہتر ہے کہ نمازی کے عین سامنے سے نہ گذریں بلکہ کم از کم سجدے کے مقام کے آگے سے گذریں۔

طواف کی نماز مقام ابراہیمؑ کے سامنے پڑھنا مسنون ہے۔ پہلی رکعت میں سورۂ کافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھیں۔ اگر مقامِ ابراہیم میں بھیڑ کی وجہ سے جگہ نہ ملے تو کہیں بھی طواف کی نماز پڑھ سکتے ہیں۔

طواف کے بعد ملتزم (جو حجرِ اسود اور بیت اللہ شریف کے دروازے کے درمیان تقریباً ڈھائی گز کا کعبہ کی دیوار کا حصہ ہے) سے لپٹ کر دعا مانگنا مستحب ہے۔ اگر موقع ملے تو اس جگہ سے لپٹ کر اپنا چہرہ اور پیٹ اور سینہ لگا کر جو چاہیں دعا مانگیں۔ یہ دعا کی قبولیت کا خاص مقام ہے۔ البتہ اگر احرام کی حالت میں ہوں تو اس سے نہ لپٹیں، کیونکہ اس جگہ پر خوشبو لگائی جاتی ہے، جس کا احرام کی حالت میں بدن اور کپڑوں پر لگانا منع ہے۔

طواف کے بعد آب زمزم پینا مسنون ہے، اور زمزم پیتے وقت جو دعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے۔ آج کل زمزم کے کنویں تک رسائی تو مشکل ہے، کیوں کہ اسے اوپر سے پاٹ دیا گیا ہے، البتہ حرم میں جابجا آب زم زم کے انتظامات ہیں وہاں جا کر زمزم سے سیراب ہو سکتے ہیں۔

صفا اور مروہ کی سعی:

طواف کے بعد اگر سعی کرنی ہے تو حجرِ اسود کا استلام کر کے حجر اسود کی سیدھ میں

چلیں، اسی جانب ''صفا پہاڑی'' ہے، جب اس جگہ کے قریب پہنچیں اور چڑھنے کا ارادہ کریں، تو یہ الفاظ کہیں: **اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰہِ اَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰہُ بِہٖ۔** (السنن الکبری للنسائی ۴/ ۱۴۲) میں سعی اس جگہ سے شروع کرتا ہوں جس کا اللہ تعالیٰ نے پہلے ذکر فرمایا (جیسا کہ ارشاد ہے) کہ بے شک صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔

صفا پہاڑی پر بس اتنا چڑھیں کہ جہاں سے بیت اللہ شریف نظر آئے، زیادہ اوپر چڑھنا مکروہ ہے۔ یہاں اوّلاً قبلہ رُخ ہوکر سعی کی نیت کریں، پھر اس طرح ہاتھ اُٹھائیں جس طرح دعا میں اُٹھائے جاتے ہیں۔ (نماز کی تکبیر تحریمہ کی طرح کانوں تک ہاتھ نہ اُٹھائیں، جیسا کہ بہت سے ناواقف لوگ کرتے ہیں) اور ہاتھ اُٹھائے ہوئے ذکر واذکار اور دعا میں مشغول ہوں، کیونکہ یہ بھی دعا کی قبولیت کا مقام ہے۔

پھر صفا سے مروہ پہاڑی کی طرف چلیں۔ مروہ پہنچ کر ایک چکر مکمل ہوجائے گا۔ مروہ پر بھی اسی طرح ہاتھ اُٹھا کر ذکر واذکار اور دعا میں مشغول ہوں جیسے صفا پر کیا۔

صفا اور مروہ کے درمیان جہاں ہری لائٹیں لگی ہوئی ہیں اس حصے میں مَردوں کے لیے تیز چلنا مسنون ہے، لیکن عورتیں اپنی ہیئت پر چلتی رہیں، وہ ہرگز نہ دوڑیں۔ سبز ہری لائٹوں کے درمیان یہ دعا پڑھنا بھی منقول ہے: **رَبِّ اغْفِرْ وَ ارْحَمْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَکْرَمُ۔** (مصنف ابن ابی شیبہ ۴/ ۵۲۱) اے اللہ! بخشش اور رحمت سے نواز، بیشک تو ہی سب پر غالب اور سب سے زیادہ کرم کرنے والا ہے۔

سعی کے دوران اگر وضو باقی نہ رہے تو وضو کرنا لازم نہیں ہے، پھر بھی اگر وضو کرکے آجائے تو ازسرنو سعی کی ضرورت نہیں ہوگی، بلکہ بقیہ چکر پورے کرلے، خواہ شروع سعی میں وضو ٹوٹا ہو یا بعد میں۔

سعی سے فارغ ہوکر مسجد حرام میں کسی بھی جگہ دو رکعت نفل نماز پڑھنا مستحب

ہے، یہ نماز سر منڈوانے سے پہلے پڑھی جائے گی۔

واضح رہے کہ سعی صرف عمرہ یا حج کے ارکان کے ساتھ مشروع ہے۔ بلا عمرہ یا بلا حج نفلی سعی ثابت نہیں ہے، بعض لوگ خواہ مخواہ سعی کرتے نظر آتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ نفلی طواف کی طرح سعی بھی ہوتی ہے، یہ صحیح نہیں ہے۔

سر کے بال منڈوانا یا کتروانا:

سعی کی تکمیل کے بعد عمرہ کرنے والے لوگ (تمتع والے) سر کا حلق یا قصر کرا کر احرام کھول دیں۔

واضح رہے کہ حلق یا قصر کے بغیر احرام کی پابندیاں ختم نہیں ہوسکتیں۔ اور حنفی مسلک میں کم از کم چوتھائی سر کا حلق یا قصر لازم ہے اور پورے سر کا حلق یا قصر سنت ہے۔

جس شخص کے سر میں ایک انگلی کے پوروے سے کم بال ہوں اس کے لیے قصر جائز نہیں ہے، بلکہ حلق (منڈوانا) ضروری ہے۔

حلق یا قصر حدودِ حرم میں ہونا ضروری ہے، ورنہ دَم لازم ہوجائے گا۔

عمرہ کرنے والا یا حج کرنے والا جب سب ارکان ادا کر کے فارغ ہوجائے اور صرف حلق یا قصر باقی رہ جائے تو اپنے بال خود بھی کاٹ سکتا ہے اور اپنے جیسے دوسرے مُحرم کے بال بھی بنا سکتا ہے، لیکن بال کاٹنے سے پہلے ناخن وغیرہ نہ کاٹے ورنہ دَم لازم ہوجائے گا۔

عمرے کے بعد مکہ مکرمہ میں قیام:

عمرے کی تکمیل کے بعد تمتع کرنے والا حاجی حلال ہوجاتا ہے۔ اب مکہ معظّمہ

کے قیام کوغنیمت سمجھتے ہوئے زیادہ سے زیادہ طواف، حرم میں نماز باجماعت اور تلاوت و اذکار کا اہتمام رکھیں، یہاں ہر نیکی کا ثواب ایک لاکھ گنا ملتا ہے۔

آج کل بھیڑ کے زمانے میں حرم مکہ میں مردوں اور عورتوں کا اختلاط بکثرت ہوتا ہے، اس لیے مسجدِ حرام میں نماز پڑھنے سے قبل یہ ضرور دیکھ لیں کہ آپ کے دائیں بائیں یا سامنے محاذات میں کوئی عورت تو جماعت میں شریک نہیں ہے، ان تینوں میں کوئی ایک بات بھی پائی گئی تو آپ کی نماز فاسد ہوجائے گی۔ نیز اپنی خواتین کو بھی سمجھا دیں کہ یا تو وہ اپنی قیام گاہ ہی پر نماز ادا کریں، اور اگر حرم میں آئیں تو عورتوں کے مخصوص حصوں میں ہی نماز پڑھیں، جو تقریباً ہر طرف پیچھے کی جانب خاص کیے گئے ہیں۔

اگر چاہیں تو اس درمیانی زمانے میں آپ نفلی عمرے بھی کر سکتے ہیں، ایسی صورت میں حدودِ حرم سے باہر تنعیم (مسجدِ عائشہؓ) یا جعرانہ وغیرہ جاکر احرام باندھنا ہوگا۔ لیکن تمتع کرنے والے حاجیوں کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ حج سے قبل الگ سے کوئی عمرہ نہ کریں، بلکہ زیادہ سے زیادہ طواف کا اہتمام رکھیں، البتہ حج کے بعد جتنے چاہے عمرے کر سکتے ہیں۔

منیٰ کے لیے روانگی:

یوم الترویہ یعنی آٹھویں ذی الحجہ کی رات ہی سے منیٰ کے لیے روانگی شروع ہوجاتی ہے۔ اس لیے آپ ۷/ذی الحجہ کی شام ہی سے احرام وغیرہ کی تیاریاں مکمل کرلیں، تاکہ معلم کی بسوں کے نظام کے مطابق منیٰ جاسکیں؛ کیوں کہ ناواقف اور ناتجربے کار لوگوں کے لیے معلم کی بسوں کے بغیر منیٰ کی قیام گاہ پر پہنچ پانا بہت ہی دُشوار ہوتا ہے۔ البتہ جو حضرات واقف کار اور تجربہ کار ہیں وہ اطمینان سے آٹھویں تاریخ کی

صبح کو فجر کی نماز کے بعد منیٰ روانہ ہو سکتے ہیں۔

حج کا احرام اگرچہ مکہ معظّمہ میں اپنی قیام گاہ پر بھی باندھا جا سکتا ہے، لیکن اگر سہولت ہو تو مسجدِ حرام میں جا کر نیت اور تلبیہ پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

منیٰ جاتے وقت ایک جوڑی کپڑے، لوٹا، چٹائی، چھتری، پانی کی بوتل اور کچھ کھانے کی خشک چیزیں (بسکٹ، نمکین وغیرہ) جیسے ضروری سامان ساتھ لے لیں تو زیادہ بہتر ہے، تا کہ کسی قسم کی دشواری کا سامنا نہ ہو۔ اس کے علاوہ زیادہ بوجھ لادنے کی ضرورت نہیں ہے۔

منیٰ میں آٹھویں تاریخ سے نویں تاریخ کی صبح تک مقیم رہ کر پانچ نمازیں ادا کرنا مسنون ہے۔

منیٰ میں اب عمدہ انتظامات سے بھرپور خیمے بنا دیے گئے ہیں، البتہ یہ سب خیمے ایک جیسے معلوم ہوتے ہیں، اس لیے حجاج کرام اپنے خیمے کی پہچان اچھی طرح کر لیں اور اپنے خیمے سے زیادہ دُور نہ جائیں ورنہ گم ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے، اور اپنا تعارفی کارڈ ہر وقت ساتھ رکھیں۔

خیموں میں مَردوں اور عورتوں کا اختلاط نہ ہونے دیں۔ بلکہ درمیان میں چادر ڈال کر دونوں کے حصے الگ کر دیں، یہ بہت ضروری چیز ہے۔

ذی الحجہ کی نویں تاریخ کی فجر کی نماز سے تیرہویں تاریخ کی عصر تک ہر فرض نماز کے بعد مَردوں کے لیے بلند آواز سے اور عورتوں کے لیے آہستہ آواز سے ایک مرتبہ تکبیر تشریق پڑھنا واجب ہے۔ تکبیر تشریق یہ ہے: ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ''۔ اس کا خاص طور سے خیال رکھیں۔

نمازیں قصر کریں یا پوری پڑھیں؟

منیٰ اور عرفات میں نمازیں پوری پڑھیں یا قصر کریں؟ اس مسئلہ پر بڑی بحثیں ہوئی ہیں، اس بارے میں یہ یادرکھنا چاہیے کہ ہندو پاک اور حرمین شریفین کے بہت سے معتبر علماء و مفتیان کی رائے یہ ہے کہ اب منیٰ اور مزدلفہ کے مقامات مکہ معظّمہ کی آبادی سے متصل ہونے کی وجہ سے قصر و اتمام کے معاملے میں مکہ معظّمہ سے ملحق ہو گئے ہیں، لہٰذا منیٰ اور مزدلفہ کا قیام مکہ سے الگ نہیں سمجھا جائے گا، اور جن حاجیوں کی مکہ معظّمہ آمد سے لے کر واپسی کی مدت ۱۵/دن یا اس سے زائد ہو رہی ہو وہ ان مقامات میں پوری نماز ادا کریں گے اور جن کی مدت قیام ۱۵/دن سے کم ہے وہ قصر کریں گے۔ ہمارے نزدیک احتیاط اور سہولت اسی قول پر عمل کرنے میں ہے۔

عرفات کے میدان میں:

۹/ذی الحجہ کو معلم کی بسیں رات ہی سے عرفات کو لے جانا شروع کر دیتی ہیں، معلم کی بسوں میں اگر جگہ نہ ملے تو پرائیوٹ گاڑیوں سے بھی عرفات جا سکتے ہیں اور ہمت ہو تو پیدل بھی جا سکتے ہیں۔ پھر عرفات کی حد میں جہاں بھی جگہ ملے ٹھہر جائیں، معلم کی سواری کے بغیر اپنے معلم کے احاطے تک پہنچنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

عرفات جاتے وقت نہایت ذوق وشوق کے ساتھ تلبیہ کا وِرد کریں، عاشقانہ انداز اور کیف و مستی کے عالم میں رحمتِ خداوندی کے امیدوار بن کر عرفات کا قصد کریں، کیونکہ آج ہی کا دن پورے حج کا ماحصل ہے۔

عرفہ کا وقوف جو کہ فرض ہے وہ زوال کے بعد سے شروع ہوتا ہے، اس لیے

زوال سے پہلے ہی پوری تیاری کرلیں، تاکہ بعد میں وقت ضائع نہ ہو۔

آج کے دن جولوگ مسجد نمرہ میں امام عرفات کے پیچھے نمازیں پڑھیں وہ تو ظہر اورعصر دونوں نمازیں ظہر کے وقت میں ادا کریں گے، مگر جو حضرات اپنے اپنے خیموں یا قیام گاہوں میں انفرادی یا اجتماعی نمازیں پڑھیں ان کے لیے دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت میں پڑھنی ضروری ہیں۔اس مسئلہ کا خاص خیال رکھیں۔

اگر امام صاحب مسافر ہوتے ہیں تو وہ عرفات میں ظہر اورعصر کی نمازیں قصر پڑھاتے ہیں، لہٰذا جو حاجی آج کے دن مسافر ہیں وہ تو امام صاحب کے ساتھ ہی سلام پھیر دیں اور جو حاجی مقیم ہیں وہ دونوں نمازوں میں امام صاحب کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی دو رکعتیں پوری کریں۔

غروبِ آفتاب تک عرفات میں قیام کرنا واجب ہے۔

وقوفِ عرفات کا پورا وقت دعا، ذکر، تلبیہ اور دیگر عبادات میں گذاریں؛ جولوگ امام عرفات کے ساتھ جمع بین الصلوٰتین کر چکے ہیں وہ اب کوئی نماز نہ پڑھیں اور خیموں میں رہنے والے حضرات ظہر سے عصر کے درمیان جتنی چاہیں نفل نمازیں (صلوۃ التسبیح وغیرہ) پڑھ سکتے ہیں۔آج کے قیمتی لمحات سستی اور غفلت میں ہرگز ضائع نہ کریں۔

غروب سے کافی پہلے ہی معلم کے آدمی حاجیوں کو بسوں میں بٹھانا شروع کر دیتے ہیں۔اگر بس میں بیٹھ بھی جائیں تو ذکر و اذکار اور دعا سے غافل نہ ہوں، یہ بسیں غروب سے پہلے عرفات سے نہیں نکل سکتیں، اس لیے اپنی نشستوں پر بیٹھے بیٹھے دعا، تلبیہ اور اذکار میں مشغول رہیں۔

غروب ہونے اور رات آجانے کے باوجود عازمین حج عرفات میں مغرب کی نماز ادا نہیں کریں گے۔

مزدلفہ کو روانگی:

سورج غروب ہونے کے بعد عرفات سے مزدلفہ کو روانگی ہوگی۔ اب جب بھی آپ مزدلفہ پہنچیں تو عشاء کے وقت میں مغرب اور عشاء دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھیں، اگر عشاء کے وقت سے پہلے مزدلفہ پہنچ جائیں تو انتظار کریں، جب عشاء کا وقت شروع ہو جائے تو مغرب اور عشاء ادا کریں۔ اور اگر مغرب یا عشاء مزدلفہ پہنچنے سے پہلے پڑھ لی تو مزدلفہ پہنچ کر دوبارہ پڑھنی ہوگی۔ البتہ اگر فجر ہوگئی تو اب قضا واجب نہیں ہے۔ ان دونوں نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا سب پر ضروری ہے، خواہ اکیلے نماز پڑھیں یا حج کے امام کے ساتھ۔

بھیڑ کی وجہ سے ٹریفک جام ہونے کی صورت میں پیدل کے راستے (طریق المشاۃ) سے مزدلفہ جائیں تو وقت پر پہنچ جائیں گے۔ یہ بھی یاد رکھیں! مزدلفہ میں داخلے کے قریب بھیڑ بہت زیادہ ہوجاتی ہے اور ناواقف لوگ سمجھتے ہیں کہ یہی مزدلفہ ہے، وہیں پڑاؤ کر کے نمازیں شروع کر دیتے ہیں اور بہت سے لوگ وہیں تھک ہار کر سوجاتے ہیں، اس لیے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے؛ جب تک مزدلفہ کے بورڈ نظر نہ آجائیں اس وقت تک آگے بڑھتے رہیں اور جب مزدلفہ کی حدود میں آنے کا یقین ہو جائے تب ہی قیام کریں۔

مزدلفہ کی یہ رات بہت ہی متبرک ہے، بعض علماء نے اسے شبِ قدر سے بھی افضل بتایا ہے، اس رات میں تھکان کے باوجود عبادت کرنا بہت زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے۔ لہذا اس رات میں عبادت کا خاص طور سے اہتمام کریں۔

حنفیہ کے نزدیک وقوفِ مزدلفہ کا اصل واجب وقت ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کی

صبح صادق سے طلوعِ آفتاب کے درمیان ہے۔اس لیے اوّل وقت میں فجر کی نماز پڑھ کر جتنی دیر ہو سکے مزدلفہ کا وقوف کریں اور دعاؤں میں مشغول رہیں۔

مزدلفہ میں قبلہ کی تعیین کے لیے حکومت نے جگہ جگہ بورڈ لگا دیے ہیں، ان کے ذریعے سے قبلے کی سمت پہچان سکتے ہیں۔

رمی یعنی شیطان کو کنکری مارنے کے لیے مزدلفہ میں چنے کے دانے کے بقدر کنکریاں جمع کرلیں اور انہیں پانی سے دھوکر پاک کر کے اپنے پاس رکھ لیں۔

مزدلفہ سے واپسی:

۱۰؍ذی الحجہ کو وقوفِ مزدلفہ کے بعد منی کے لیے روانگی ہوگی۔

مزدلفہ سے منیٰ کے لیے بسوں سے سفر کرنے کے بجائے پیدل آنے میں زیادہ سہولت ہے، اس سے آپ کا کافی وقت بچ سکتا ہے۔

دوبارہ منیٰ میں:

منیٰ پہنچ کر سب سے پہلا عمل آخری جمرہ (بڑے شیطان) کو کنکری مارنا ہے۔ نظم وانتظام کے مطابق جیسی سہولت وہمت ہو اسی کے مطابق کنکری مارنے کا عمل انجام دیں اور جتنی جلد اس عمل سے فارغ ہو جائیں اتنا ہی اچھا ہے، تاکہ دیگر اعمال کے لیے وقت بچ جائے۔

رمی شروع کرتے ہی تلبیہ پڑھنے کا سلسلہ بند کر دیا جائے۔

اگر صرف حج کا احرام ہے تو رمی کے بعد حلق یا قصر کرا کر احرام کھول دیں۔اور اگر قران یا تمتع کا احرام ہے تو پہلے واجب قربانی کریں، اس کے بعد حلق یا قصر کرائیں۔

خواتین کے لیے حلق جائز نہیں ہے، وہ صرف چوٹی کے سرے سے انگلی کے پوروں کے برابر اپنے بال کاٹ لیں۔

حنفیہ کے مفتی بہ قول کے مطابق قارن اور متمتع کے لیے رمی، قربانی اور حلق میں ترتیب واجب ہے، اس لیے پوری کوشش کرنی چاہیے کہ یہ ترتیب قائم رہے؛ لیکن اگر کوئی شخص اپنے ضعف یا نئے سعودی قوانین یا کسی اور عذر کی بنا پر ترتیب قائم نہ رکھ سکے تو صاحبینؒ اور ائمہ ثلاثہ کے قول کے مطابق اس پر دَم واجب نہیں ہوگا۔

طوافِ زیارت:

قربانی اور حلق کے بعد طوافِ زیارت کے لیے مکہ معظّمہ جائیں، یہ طواف فرض ہے، اور ۱۰/ سے ۱۲/ ذی الحجہ تک دن یا رات میں کسی بھی وقت کیا جاسکتا ہے۔

جو عورت ناپاک ہو وہ اس وقت طواف زیارت نہ کرے بلکہ بعد میں پاک ہونے پر طواف کرے، اس تاخیر سے اس پر کوئی جرمانہ لازم نہیں ہوگا۔

اگر پہلے حج کی سعی نہ کی ہو تو طواف زیارت کے بعد سعی کرنی ہوگی اور اس طواف کے شروع کے تین چکروں میں رمل (اکڑ کر چلنا) کیا جائے گا۔ اور جب حلق کے بعد سلے ہوئے کپڑے پہن کر طواف کریں تو اضطباع نہیں ہوگا اور سعی بھی سلے ہوئے کپڑوں میں ہوگی۔ حج کی سعی کے لیے ۱۲/ تاریخ کی کوئی تحدید نہیں ہے، بلکہ بعد میں بھی کی جاسکتی ہے۔

ایام منیٰ (۱۰/ ۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ) میں رات کا اکثر حصہ منیٰ میں گذارنا مسنون ہے۔ آج کل بے شمار خیمے حدود مزدلفہ میں لگادیے جاتے ہیں جن میں لاکھوں حاجیوں کو ٹھہرایا جاتا ہے، ان کے لیے حدود منیٰ میں ٹھہرنا سخت مشکل ہے، لہٰذا ایسے عذر کی وجہ سے

وہ منیٰ کا قیام چھوڑنے پران شاء اللہ گنہگار نہیں ہوں گے؛ ویسے بھی حنفیہ کے نزدیک اس قیام کو چھوڑنے پر کوئی دم واجب نہیں ہوتا ہے۔

رمی جمار (کنکری مارنا):

گیارہ اور بارہ تاریخ کو زوال کے بعد سے تینوں جمرات کی رمی کی جائے گی۔

ان دونوں دِنوں میں زوال سے پہلے رمی جائز اور معتبر نہیں ہے، لہذا اس کا خیال رکھیں۔

کمزور لوگ اور خواتین اگر رات میں رمی کریں تو ان پر کوئی کراہت نہیں ہے۔ البتہ جو لوگ رات کے وقت میں رمی کرنے پر قادر ہوں ان کی طرف سے دوسرے کی رمی درست نہیں ہوگی۔ اس مسئلہ کا خوب خیال رکھیں۔ بہت سے لوگ حقیقی عذر کے بغیر اپنی طرف سے کسی دوسرے سے رمی کروا دیتے ہیں، ایسے لوگوں کی رمی معتبر نہیں ہے اور ان پر ترکِ رمی کی وجہ سے دَم واجب ہو جائے گا۔

کنکری اس طرح ماریں کہ وہ دائرہ کے اندر ہی گریں، اس سے باہر نہ جائیں۔

جمرۂ عقبہ اور جمرۂ وسطیٰ کے بعد قبلہ رخ ہوکر دعا مانگنا مسنون ہے۔ آخری جمرے کے بعد دعا کا حکم نہیں ہے۔

منیٰ کے ایام خاص طور پر ذکرِ خداوندی کے دن ہیں، لہذا اس دوران عبادات کا خاص اہتمام رکھیں۔

بارہ ذی الحجہ کو غروبِ آفتاب سے پہلے منیٰ سے مکہ معظّمہ کے لیے روانہ ہو جائیں۔ اگر کوئی عذر ہو یا خواتین وغیرہ ساتھ ہوں تو غروب آفتاب کے بعد بھی کنکری مار کر منیٰ سے نکل سکتے ہیں۔لیکن اگر ۱۳/ ذی الحجہ کی صبح صادق تک منی میں

رُکے رہے تو تیرہویں تاریخ کی رمی بھی واجب ہو جائے گی۔

مکہ مکرمہ کی طرف واپسی اور طوافِ وداع:

مکہ معظّمہ واپس آ کر جو حضرات وطن جانا چاہتے ہیں، ان پر جانے سے پہلے طوافِ وداع کرنا واجب ہے، اگر بلا عذر اسے چھوڑ دیا تو دَم لازم ہو جائے گا۔

یہ بھی یاد رہے کہ طوافِ زیارت کے بعد کیا ہوا نفلی طواف بھی طوافِ وداع کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔

اگر کوئی شخص طوافِ وداع کیے بغیر میقات سے باہر چلا جائے تو اس پر دَم واجب ہو جائے گا۔ اس دَم سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ دوبارہ عمرے کا احرام باندھ کر حرم میں آئے، پہلے عمرہ کرے اور پھر طوافِ وداع کرے۔ صرف طوافِ وداع کے لیے باہر سے عمرے کے احرام کے بغیر آنا منع ہے۔ اس مسئلہ کو اچھی طرح یاد رکھیں۔

جو عورت واپسی کے وقت ناپاکی کی حالت میں ہو اس کے لیے طوافِ وداع کے لیے رکنا لازم نہیں ہے، وہ طوافِ وداع کیے بغیر وطن لوٹ سکتی ہے۔

مکہ معظّمہ میں جتنا بھی قیام نصیب ہو، اسے غنیمت سمجھیں اور زیادہ سے زیادہ طواف اور عمروں کا اہتمام رکھیں، زندگی میں یہ مواقع بار بار نصیب نہیں ہوتے۔ وطن واپسی کے وقت نہایت حزن و ملال کا اظہار کریں اور بیت اللہ کی جدائی پر گریہ و زاری کے ساتھ اس امید کے ساتھ واپس ہوں کہ اللہ تعالیٰ دوبارہ بار بار حاضری کا موقع دیتے رہیں۔ (کتاب المسائل: ۳/ ۴۲۲-۴۳۸)

زیارت مدینہ منورہ کا بیان

امت پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق

محسن انسانیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار فضائل اور امت پر آپ کے بے شمار احسانات کے ساتھ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ امت پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا کیا حقوق عائد ہوتے ہیں؟ اور ہم واقعی طور پر ان حقوق کو ادا کر رہے ہیں یا نہیں؟ چند اہم حقوق مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا حق آپ کی نبوت پر ایمان لانا ہے، آپ کو سچا نبی اور برحق رسول تسلیم کرنا ہے۔ ایمان لانے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آپ کے بتائے ہوئے احکامات پر ہمارا پورا یقین ہو، ہماری سوچ اور فکر یہ ہو کہ ہماری آنکھیں غلط دیکھ سکتی ہیں ہمارے کان غلط سن سکتے ہیں ہماری زبان غلط چکھ سکتی ہے، ہمارے ہاتھ چھونے اور محسوس کرنے میں غلطی کر سکتے ہیں؛ لیکن جو بات صحیح اور مستند طریقہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے وہ کبھی غلط نہیں ہو سکتی۔ اگر ہمارے دلوں میں یہ ایمان ویقین پختہ ہو جائے تو ہماری عملی زندگی میں ایک ایسا انقلاب آجائے کہ ہمارے روز و شب اور شام وسحر بدل جائیں، معرفت وبصیرت اور دلوں میں نور پیدا ہو جائے۔

(۲) دوسرا حق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا ہے، آپ سے ہمارا تعلق محض قانونی یا رسمی نہیں ہے، بلکہ ایسی اطاعت مطلوب ہے جس کے پیچھے بے پناہ محبت کارفرما

ہو، ایسی محبت کہ انسان لٹ کر محسوس کرے کہ اس نے بہت کچھ پایا ہے، ایسی محبت کہ انسان کچھ کھو کر محسوس کرے کہ اس نے بہت کچھ حاصل کیا ہے، ایسی محبت کہ جس میں کانٹوں کا بستر پھولوں کا لطف دے؛ یہی محبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام کو تھی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کو اس کے باپ اور اس کی اولاد اور تمام انسانوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔ (رواہ البخاری و مسلم) محبت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ ہمیں آپ کی امت سے بھی محبت ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اپنی اولاد کا درجہ دیا ہے، دیہات اور قریہ جات کے لوگ جو مقام نبوت سے کما حقہ واقف نہیں تھے آپ علیہ السلام کا رویہ ان کے ساتھ بھی محبت وشفقت کا ہوتا تھا؛ آپ ان کی غلطیوں کو معاف کرتے تھے، ان کی تند خوئی پر تحمل و بردباری سے کام لیتے تھے، امت کے ایک ایک فرد کا دکھ درد خود محسوس کرتے تھے؛ غرض یہ کہ پوری امت آپ کی شفقت و محبت کے زیر سایہ تھی۔

(۳) تیسرا حق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب واحترام اور آپ کی عظمت ہے۔ اللہ تعالی نے اس بات سے بھی منع فرمایا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم کلام ہوتے ہوئے کسی مسلمان کی آواز آپ کی آواز سے بلند ہو جائے۔ فرمایا: **یا ایها الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبي ولا تجهروا له بالقول کجهر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون** (سورۃ الحجرات) اے ایمان والو! نبی کی آواز سے اپنی آواز بلند مت کرو، اور نبی کے سامنے اس طرح زور سے مت بولو جس طرح تم آپس میں بات کرتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں۔ اس آیت کریمہ میں صاف طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ مسلمانو! تم رسول

اللہ کی آواز سے اپنی آواز کو بلند کرنے اور آپ کے سامنے بے محابا جہر یعنی کھل کر بات کرنے سے بچو، کیوں کہ ایسا کرنے میں خطرہ ہے کہ تمہارے اعمال حبط اور ضائع ہو جائیں، اور وہ خطرہ اس لیے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیش قدمی یا آپ کی آواز پر اپنی آواز بلند کر کے مخاطب کرنا ایک ایسا امر ہے جس سے رسول اللہ کی شان میں گستاخی اور بے ادبی ہونے کا بھی احتمال ہے، جو ایذائے رسول کا سبب ہے۔ اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے یہ وہم بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ بالقصد کوئی ایسا کام کریں جو آپ کی ایذا کا سبب بنے، لیکن بعض اعمال جیسے تقدم اور رفع صوت اگرچہ بقصد ایذا نہ ہوں پھر بھی ان سے ایذا کا احتمال ہے، اس لیے ان کو مطلقا ممنوع قرار دیا گیا۔ اور بعض معصیتوں کا خاصہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے ارتکاب کرنے والے سے توبہ اور اعمال صالحہ کی توفیق سلب ہو جاتی ہے اور وہ گناہوں میں منہمک ہو کر انجام کار کفر تک پہنچ جاتا ہے، جو حبط اعمال کا سبب ہے؛ اور کرنے والے نے چوں کہ اس کا ارادہ نہیں کیا تھا اس لیے اس کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ اس ابتلائے کفر اور حبط اعمال کا اصل سبب کیا ہے؟۔ یہ وہ ادب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھنے والوں اور آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والوں کو سکھایا گیا تھا۔ اس کا منشا یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملاقات اور بات چیت میں اہلِ ایمان آپ کا انتہائی احترام ملحوظ رکھیں، کسی شخص کی آواز آپ کی آواز سے بلند نہ ہو، آپ سے خطاب کرتے ہوئے لوگ یہ نہ بھول جائیں کہ وہ کسی عام آدمی یا اپنے برابر والے سے نہیں بلکہ اللہ کے رسول سے مخاطب ہیں؛ اس لیے عام آدمیوں کے ساتھ گفتگو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گفتگو میں نمایاں فرق ہونا چاہیے اور کسی کو آپ سے اونچی آواز میں کلام نہ کرنا چاہیے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بحیثیت مسلمان ہم پر آپ علیہ السلام کا کس قدر احترام واجب ہے۔

(۴) چوتھا حق نبی علیہ السلام کی اطاعت اور فرماں برداری ہے۔ یعنی آپ نے جن باتوں کا حکم دیا ان کی تعمیل اور جن باتوں سے منع کیا ان سے رکنا، آپ کے ایک ایک عمل پر اپنے عمل کی بنیاد رکھنا، آپ کی زندگی کو اپنے لیے اسوہ اور نمونہ بنانا؛ آپ علیہ السلام کی حیات طیبہ منشائے ربانی کا مظہر ہے۔ آپ کا اٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، کھانا، پینا، جلوت وخلوت، لوگوں کے ساتھ تعلقات، دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ سلوک، وضع وقطع اور لباس و پوشاک، غرض آپ کا ایک ایک عمل انسان کی عملی زندگی کے لیے نمونے کا درجہ رکھتا ہے؛ اور یہ انسانیت پر اللہ تبارک وتعالی کا بڑا احسان اور کرم ہے کہ آپ کی سنت اس طرح محفوظ کردی گئی کہ آپ کی زندگی کھلی ہوئی ایک روشن کتاب ہے۔

(۵) پانچواں حق نبی علیہ الصلاۃ والسلام پر درود وسلام بھیجنا ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ رب العالمین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجنے کی تاکید فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا: **ان الله و ملائکته یصلون علی النبي یا ایها الذین آمنوا صلوا علیه و سلموا تسلیما** (سورۃ الاحزاب) بیشک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی نبی پر درود وسلام بھیجا کرو۔ اس کائنات میں ایک مؤمن کا سب سے بڑا محسن نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا، آپ کی پوری زندگی اس فکر اور غم میں گذری کہ میری امت کا ایک ایک فرد عذابِ جہنم سے بچ جائے اور جنت میں داخل ہوجائے؛ تنہا یہی احسان اتنا بڑا ہے کہ زندگی اور زندگی کے سارے لمحات اُن پر قربان کردیے جائیں تو حق ادا نہ ہوگا؛ تاہم ایک امتی اتنا تو کرسکتا ہے اور کرنا بھی چاہیے جو نبی کا حق بھی ہے کہ جب بھی موقع ملے حضور علیہ السلام پر درود وسلام کا ہدیہ پیش کرے، اور اس میں ہمارا ہی فائدہ ہے، ہمیں سلامتی کی ضرورت ہے، ہم محتاج ہیں، ہمارے درود وسلام کی حضور کو ضرورت نہیں ہے، حضور کی ذات تو وہ ہے کہ خود خالقِ

کائنات اوراس کے معصوم فرشتے ان پر درود وسلام بھیجتے ہیں؛ضرورت تو ہمیں ہے،ہم درود وسلام ایک بار بھیجیں گے وہاں سے دس مرتبہ سلامتی کی دعا ملے گی اوراس دعائے سلامتی کی قبولیت میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا۔خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس نے مجھ پرایک مرتبہ درود بھیجا اللہ تعالیٰ اُس پر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔(رواہ مسلم) حضرت عبداللہ بن ابی طلحہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ تشریف لائے ،تو آپ کے چہرۂ انور پر خوشی کے آثار نمایاں تھے،آپ نے ارشادفرمایا:حضرت جبریل نے آکر(اللہ تعالیٰ کی جانب سے) مجھے یہ خوشخبری سنائی ہے کہ اے محمد! کیا آپ اس بات پرخوش نہیں ہیں کہ آپ کی امت میں سے جوبھی آپ پرایک مرتبہ درود پڑھے گا میں اس پر دس رحمتیں بھیجوں گا اورآپ کی امت میں سے جو بھی آپ پرایک مرتبہ سلامتی بھیجے گا میں اس پر دس مرتبہ سلامتی بھیجوں گا۔(رواہ النسائی) فقہاءفرماتے ہیں کہ زندگی میں ایک مرتبہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام پردرود وسلام بھیجنا فرض ہے اور جب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کیا جائے یا ذکرآئے تو ہر دفعہ درود بھیجنا واجب نہیں مستحب ہے،جمہورفقہاء کا یہی مسلک ہے،اورایک مجلس میں بار بارذکرآئے تو ایک باردرودشریف پڑھنا کافی ہےاور ہر باردرودبھیجنا اولیٰ ہے۔(شرح الشفا: ۲/۱۰۷)

(٦) چھٹا حق یہ ہے کہ زندگی میں جب جب بھی موقع ملے ہم مدینہ منورہ جائیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضر ہوں اور درد وسلام کا نذرانہ پیش کریں۔ یہ ایک امتی ہونے کے ناطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم پر حق ہے اور یہ محبت رسول اورعشق رسول کا تقاضہ بھی ہے۔ایک مسلمان کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضری اورزیارت زندگی کی اہم ترین تمنا ہونی چاہیے۔اوراس میں ہمارا ہی فائدہ ہے، ہم وہاں کی روحانیت سے فیض یاب ہوں گے اور آخرت میں نبی کی

شفاعت نصیب ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان، آپ سے بے پناہ محبت، آپ کا ادب و احترام، آپ کی اطاعت وفرماں برداری، آپ پر درود وسلام اور آپ کے روضۂ اقدس پر حاضری وغیرہ ہم پر آپ کے بنیادی حقوق ہیں۔

مدینہ منورہ کی عظمت اور فضیلت

مدینہ منورہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی جگہ ہے۔ آپ علیہ السلام نے یہاں باضابطہ اسلامی ریاست کی بنیاد ڈالی تھی۔ مدینہ اسلام کا مرکز ہے اور قیامت کے قریب تک اسلام کا مرکز رہے گا؛ حتی کہ ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ اسلام مدینے تک ہی سمٹ جائے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **اِنَّ اْلاِیْمَانَ لَیَأْرِزَ إِلَی الْمَدِیْنَةِ کَمَا تَأْرِزُ الْحَیَّةُ إِلیٰ جُحْرِھَا۔** (صحیح بخاری ۲۵۲/۱ رقم: ۱۸۸٦، البحر العمیق ۲۴۵/۱) کہ ایمان اسی طرح مدینے کی طرف لوٹ آئے گا جیسے کہ سانپ اپنے سوراخ کی طرف لوٹتا ہے۔ اس حدیث میں اشارہ ملتا ہے کہ مدینہ منورہ میں قیامت تک ایمان واسلام رہے گا۔ ایک دوسری روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقدس شہر کا تعارف کراتے ہوئے ارشاد فرمایا: **اَلْمَدِیْنَةُ قُبَّةُ الْاِسْلاَمِ وَدَارُ الْاِیْمَانِ وَأَرْضُ الْھِجْرَةِ وَمَثْوَی الْحَلاَلِ وَالْحَرَامِ۔** (رواہ الطبرانی فی الاوسط ۵٦۱۴، الترغیب و الترھیب ۲۸۳) مدینہ اسلام کا گنبد، ایمان کا مرکز، ہجرت کی سرزمین، اور جائز وناجائز کے علم کا مرجع ہے۔

مدینہ کی حفاظت پر فرشتے مامور ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہاں فرشتوں کا پہرہ بٹھا رکھا ہے۔ یہاں نہ تو طاعون جیسی وبائی بیماری آئے گی اور نہ ہی دجال یہاں داخل ہوسکے

گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: عَلٰی اَنْقَابِ الْمَدِیْنَةِ مَلاَئِكَةٌ لَا یَدْخُلُهَا الطَّاعُوْنُ وَلَا الدَّجَّالُ۔ (صحیح مسلم ۱/۴۴۴ رقم: ۱۳۷۹، صحیح بخاری ۱/ ۲۵۲ رقم: ۱۳۳۷) مدینہ کے داخلے کے راستوں پر فرشتے مقرر ہیں، نہ یہاں طاعون داخل ہوگا اور نہ ہی دجال داخل ہو سکے گا۔

مدینہ منورہ میں چاروں طرف برکت ہی برکت ہے، جس کا وہاں کھلی آنکھوں مشاہدہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ یہ دراصل نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی اس دعا کی برکات ہیں جو آپ نے مدینہ منورہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے مانگی تھی، آپ نے فرمایا تھا: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ بِالْمَدِیْنَةِ ضِعْفَیْ مَا جَعَلْتَهٗ بِمَكَّةَ بِالْبَرَكَةِ۔ (صحیح بخاری ۱/۲۵۳ رقم: ۱۸۸۵، البحر العمیق ۱/۲۴۹) اے اللہ! آپ مدینے میں اس برکت کا دوگنا عطا فرمائیے جو آپ نے مکہ معظّمہ کے لیے مقرر فرمائی ہے۔

روضۂ اقدس پر حاضری اور زیارت کی فضیلت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ۔ (سنن بیہقی ۳۸۶۲، شعب الایمان ۳/۴۹۰ رقم: ۴۱۵۹، خلاصة الوفاء ۱/۳۲۱) جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہے۔ ایک دوسری روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ جَائَنِیْ زَائِراً لَمْ تَنْزَعْهُ حَاجَةٌ إِلاَّ زِیَارَتِیْ كَانَ حَقاً عَلَيَّ أَنْ أَكُوْنَ لَهٗ شَفِیْعاً یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ (خلاصة الوفاء ۱/۳۲۶، البحر العمیق ۵/۲۸۸۷)

جو شخص صرف میری زیارت کے لیے میرے پاس آئے تو میرے اوپر یہ حق ہے کہ میں قیامت کے دن اس کا سفارشی بنوں گا۔

ایک روایت میں آپ نے فرمایا: مَنْ زَارَنِیْ بَعْدَ وَفَاتِیْ عِنْدَ قَبْرِیْ فَکَأَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ۔ (خلاصۃ الوفاء ۱/۳۲۸، ومثلہ فی شعب الایمان ۳/۴۸۹ حدیث: ۴۱۵۳، مشکوٰۃ المصابیح ۱/۲۴۱، سنن کبریٰ ۵/۲۴۶) جس شخص نے میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔ ایک روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَا مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ إِلاَّ رَدَّ اللّٰہُ عَلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّہٗ عَلَیْہِ السَّلاَمُ۔ (سنن ابوداؤد ۱/ ۲۷۹، خلاصۃ الوفاء ۱/۴۴۲)

جو مسلمان شخص میری قبر پر آ کر سلام پیش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو متوجہ فرمادیتے ہیں، یہاں تک کہ میں خود اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

ایک مسلمان کے لیے اس سے بڑی سعادت کی بات کیا ہوسکتی ہے کہ خود پیغمبر علیہ السلام اس کے سلام کا جواب مرحمت فرمائیں؟

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات ہیں جن سے روضۂ اطہر پر حاضری اور زیارت کے فضائل معلوم ہوتے ہیں۔ جمہور علمائے اہلِ سنت والجماعت نے روضۂ اقدس کی زیارت کو اہم ترین مقاصد میں سے شمار فرمایا ہے اور روضۂ اقدس پر حاضری کو گناہوں کی معافی اور درجات کی بلندی کا سبب قرار دیا ہے۔ (کتاب المسائل ۳/ ۴۶۴)

حج اور عمرہ کرنے والوں کو بھی روضۂ اقدس پر ضرور حاضر ہونا چاہیے۔

حاجی پہلے مدینہ منورہ جائے یا مکہ مکرمہ؟

اگر حاجی کے راستے میں مدینہ منورہ پڑتا ہے تو اسے چاہیے کہ پہلے مدینہ جا کر روضۂ اقدس کی زیارت کرے، روضۂ اقدس کی زیارت کے بغیر آگے نہ جائے، لیکن اگر راستے

میں مدینہ منورہ نہیں پڑتا ہے تو اس کی دوصورتیں ہیں: (۱) اگر وہ فرض حج کرنے جارہا ہے تو پہلے حج کرنا افضل ہے، حج کرنے کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہو۔ (۲) اگر نفلی حج ہے تو اسے اختیار ہے، خواہ پہلے مکہ مکرمہ جائے یا مدینہ منورہ۔ (مناسک ملا علی قاری ۵۰۲)

زیارتِ مدینہ منورہ کے چند آداب

مدینہ منورہ حاضری کے وقت چند باتوں کا خاص طور سے خیال رکھنا چاہیے۔ (۱) اخلاصِ نیت: مدینہ منورہ کے سفر سے مقصود روضۂ اقدس کی زیارت اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی فضیلت کا حصول ہو۔ (۲) ذوق وشوق: مدینہ منورہ کے پورے سفر میں ایسا ذوق وشوق ہو، جیسے کوئی عاشق اپنے محبوب سے ملاقات کے لیے جاتے وقت دل میں محسوس کرتا ہے، اور جیسے جیسے مدینے کا فاصلہ کم ہوتا جائے اسی اعتبار سے ذوق وشوق میں اضافہ ہوتے رہنا چاہیے؛ مناسب ہے کہ سفر کے دوران نعتیہ اشعار والہانہ انداز میں پڑھتا رہے، تاکہ ذوق وشوق میں خوب اضافہ ہو۔ (۳) درود شریف کی کثرت: مدینہ منورہ کے سفر کے دوران اٹھتے، بیٹھتے، چلتے، پھرتے زبان پر نبی علیہ الصلاۃ والسلام کا نامِ اور دل میں آپ کی یاد ہو؛ کثرت سے درود شریف کا ورد جاری رکھیں اور فضول باتوں سے بچیں۔ (۴) اظہارِ ادب: جب مدینہ منورہ میں داخل ہوں تو خشوع وخضوع کے ساتھ خوب ادب کا اظہار کریں، جیسا کہ ایک غلام اپنے آقا کے دربار میں حاضر ہوتے وقت کرتا ہے۔ (البحر العمیق)

جب مدینہ منورہ میں داخل ہوں؟

جب مدینہ شہر میں داخل ہوں تو یہ دعا پڑھیں: رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ

وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطَاناً نَصِيْرًا (سورة بنی اسرائیل: ۸۰) اے رب! مجھے اچھی طرح داخل فرما اور اچھائی کے ساتھ نکال اور مجھے خاص اپنے پاس سے ایسا اقتدار عطا فرما جس کے ساتھ تیری مدد ہو۔ اس کے بعد قیام گاہ پر پہنچنے اور بشری ضروریات وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد روضۂ اقدس پر حاضری کی تیاری کریں اور بہتر ہے کہ غسل کر کے، اچھے کپڑے پہن کر، خوشبو لگا کر، نہایت ادب واحترام کے ساتھ مسجدِ نبوی میں حاضر ہوں۔ (کتاب المسائل ۳/۴۶۹)

جب مسجدِ نبوی میں داخل ہوں؟

مسجدِ نبوی میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھنی چاہیے۔

أَعُوْذُ بِاللهِ الْعَظِيْمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَبِنُوْرِهِ الْقَدِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِاسْمِ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلاَ حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلاَّ بِاللهِ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ وَعلٰى آلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِيْماً كَثِيْراً۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِکَ وَوَفِّقْنِيْ وَسَدِّدْنِيْ وَاَعِنِّيْ

میں اللہ تعالیٰ کی عظیم وکریم ذات اور اس کے دائمی نور کے توسط سے ملعون شیطان سے پناہ چاہتا ہوں، میں اللہ تعالیٰ کے نام سے داخل ہو رہا ہوں اور ہر طرح کا شکر اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے، اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کے پاس طاقت وقوت نہیں ہے۔ اے اللہ! ہمارے آقا محمدؐ پر جو آپ کے بندے اور رسول ہیں اور آپ کے آل واصحاب پر کثرت سے رحمتیں اور سلام نازل فرما۔ اے اللہ! میرے گناہ بخش دیجیے اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیجیے اور مجھے خیر کی توفیق عطا فرمایئے،

عَلیٰ مَا یُرْضِیْکَ وَمَنَّ عَلَیَّ بِحُسْنِ اْلأَدَبِ، اَلسَّلاَمُ عَلَیْکَ أَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ، اَلسَّلاَمُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ۔ (خلاصۃ الوفاء: ۱/۴۴۲)

اور مجھے سیدھی راہ پر چلائیے اور اپنی رضا والے اعمال پر میری مدد فرمائیے اور حسنِ ادب سے نواز کر میرے اوپر احسان فرمائیے۔ اے نبی! آپ پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں، ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلامتی ہو۔

مسجد نبوی میں داخلے کے وقت نفلی اعتکاف کی نیت کرلیں، تاکہ خوب ثواب میں اضافہ ہو۔ بہتر ہے کہ داخلے کے بعد اولاً جہاں موقع ملے دو رکعت نماز ”تحیۃ المسجد“ پڑھ لیں، پھر اس حاضری پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے زیارت مقبول ہونے کی خوب دعائیں مانگیں۔ پھر انتہائی خشوع وخضوع اور کامل توجہ کے ساتھ روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے چلیں۔

بارگاہِ نبوت میں حاضری

روضۂ اقدس کی جانب نہایت ادب اور سکون ووقار کے ساتھ قدم بڑھائیں اور یہ تصور کریں کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار اور رحمت عالم کی بارگاہ ہے، کہاں ایک گنہگار امتی اور کہاں آقائے کائنات! پھر عاجزی وادب اور شکر کے تمام جذبات کے ساتھ بارگاہِ نبوت کی طرف چلتے ہوئے جب روضۂ اقدس کے سامنے پہنچے تو قبر مبارک کی طرف چہرہ کرکے نہایت ادب واطمینان کے ساتھ کھڑا ہو، یہ تصور کرے کہ گویا نبی علیہ الصلاۃ والسلام سامنے تشریف فرما ہیں اور ایک عاجز وگنہگار امتی آپ کی خدمت میں حاضر ہے، پھر درود وسلام پیش کرنے کی سعادت حاصل کرے، حسبِ موقع طویل اور

مختصر سلام پیش کر سکتا ہے۔ (فتح القدیر ۳/۱۸۰، بیروت)

روضۂ اقدس پر درود وسلام کے الفاظ

اگر مختصر درود وسلام پیش کرنا ہو تو درج ذیل کلمات پڑھ سکتے ہیں:

- اَلصَّلاَۃُ وَ السَّلاَمُ عَلَیۡکَ یَا رَسُوۡلَ اللّٰہِ (اے اللہ کے رسول! آپ پر درود وسلام)
- اَلصَّلاَۃُ وَ السَّلاَمُ عَلَیۡکَ یَا حَبِیۡبَ اللّٰہِ (اے اللہ کے حبیب! آپ پر درود وسلام)
- اَلصَّلاَۃُ وَ السَّلاَمُ عَلَیۡکَ یَا خَیۡرَ خَلۡقِ اللّٰہِ (اے افضل الخلق! آپ پر درود وسلام)
- اَلسَّلاَمُ عَلَیۡکَ أَیُّھَا النَّبِیُّ وَ رَحۡمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ (اے نبی! آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں)

اگر طویل سلام پیش کرنا چاہے تو احادیث وآثار سے منقول جو بھی سلام یاد ہو پیش کر سکتا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ بعض درود وسلام ایسے بھی رواج پا گئے ہیں جن میں نامناسب اور شانِ نبوت کے خلاف الفاظ ہوتے ہیں، اس لیے پیش کرنے والے سلام کے متعلق کسی معتبر عالم دین سے ضرور رجوع کرنا چاہیے۔

دوسروں کی طرف سے سلام

دوسروں کی طرف سے بھی سلام پیش کرنا درست ہے۔ اگر کسی سے کسی دوسرے شخص نے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں سلام پیش کرنے کی درخواست کی ہے تو اس کی طرف سے ان الفاظ میں سلام پیش کر سکتا ہے: اَلسَّلاَمُ عَلَیۡکَ یَا رَسُوۡلَ اللّٰہِ! فُلاَنُ بۡنُ فُلاَنٍ (یہاں پر سلام کرنے والے مرد یا عورت کا نام لے) یُسَلِّمُ عَلَیۡکَ یَا رَسُوۡلَ اللّٰہِ۔ کہ اے اللہ کے رسول! فلاں آپ کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے۔ (فتح

القدیر، بیروت ۳/۱۸۱)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں سلام

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پیش کرنے کے بعد ایک قدم دائیں جانب ہٹ کر خلیفۂ اول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان الفاظ کے ساتھ سلام عرض کریں: اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا خَلِیْفَةَ رَسُوْلِ اللّٰہِ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا وَزِیْرَ رَسُوْلِ اللّٰہِ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰہِ فِیْ الْغَارِ۔ جَزَاکَ اللّٰہُ عَنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرَ الْجَزَاءِ۔ (فتح القدیر بیروت: ۳/۱۸۱)

حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں سلام

اس کے بعد مزید ایک قدم ہٹ کر امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان الفاظ کے ساتھ سلام عرض کریں: اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ یَا سَیِّدَنَا یَا عُمَرَ الْفَارُوْقُ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا عِزَّ الْاِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِیْنَ۔ جَزَاکَ اللّٰہُ عَنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرَ الْجَزَاءِ۔ (فتح القدیر بیروت: ۳/۱۸۱)

تضرع وزاری کے ساتھ دعا

پھر دوبارہ مواجہہ شریف کے سامنے آئے اور موقع ہو تو روضۂ اقدس کی طرف رخ کرکے ورنہ قبلہ رو ہو کر خوب تضرع وزاری کے ساتھ پیغمبر علیہ السلام کے وسیلے سے

دعائیں مانگے، یہ دعا کی قبولیت کا مقام ہے۔ (کتاب المسائل ۳/ ۷۷۴)

سلام کس وقت پیش کریں؟

سلام کے لیے زیادہ بھیڑ کے وقت جانے کی ضرورت نہیں ہے، زیادہ بھیڑ کے وقت طویل سلام پیش کرنے کا موقع نہیں ہوتا ہے۔ البتہ اگر بھیڑ کے وقت ہی حاضری ہوتو مختصر سلام پر اکتفا کرنا چاہیے۔ سلام کے لیے کم بھیڑ اور سہولت کے اوقات کو مدنظر رکھنا چاہیے، کیونکہ اس صورت میں سکون واطمینان اور معنی کے استحضار کے ساتھ طویل سلام پیش کیا جاسکتا ہے۔

خواتین کی روضۂ اقدس پر حاضری اور سلام

خواتین کو بھی روضۂ اقدس کی زیارت کرنی چاہیے اور سلام عرض کرنا چاہیے۔ ان کے لیے پردے کے پیشِ نظر اور بھیڑ کی وجہ سے رات میں حاضر ہوکر سلام عرض کرنا زیادہ بہتر ہے، اور جب زیادہ ہجوم ہوتو کچھ فاصلے سے ہی سلام عرض کریں۔

اگر کسی خاتون کو ماہواری آرہی ہو یا وہ نفاس کی حالت میں ہوتو وہ اپنی قیام گاہ پر رہے، سلام عرض کرنے کے لیے مسجد نبوی میں نہ آئے اور جب پاک ہوجائے تو روضۂ اقدس پر سلام پیش کرنے کے لیے حاضر ہو، اس لیے کہ حائضہ عورت کو مسجد میں داخل ہونا منع ہے۔ (فتاوی هندیه ۱/ ۱۱۹) ۔ البتہ اگر حیض ونفاس کی حالت میں مسجد نبوی کے باہر "باب السلام" یا کسی اور دروازے کے پاس کھڑی ہوکر سلام عرض کرنا چاہے تو کرسکتی ہے۔

مسجد نبوی یا روضۂ اقدس کی دیواروں یا جالیوں کو چومنا

روضۂ اقدس یا مسجد نبوی کی دیواروں یا جالیوں کو چومنا یا ہاتھ لگانا کوئی فضیلت کی بات نہیں ہے، ایسی چیزوں سے اجتناب کرنا چاہیے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی قبر اطہر پر ہاتھ رکھے ہوئے تھا، تو آپ نے اسے منع کیا اور فرمایا: دور نبوت میں ایسی کوئی بات ہم نہیں جانتے تھے۔ (خلاصۃ الوفاء ۱/۴۵۵)

روضۂ اقدس کا ایک یادگار واقعہ

علامہ عتبیؒ فرماتے ہیں: میں ایک مرتبہ مسجد نبوی میں روضۂ اقدس کے قریب بیٹھا ہوا تھا کہ ایک دیہاتی شخص آیا اور اس نے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی خدمت عالیہ میں اولاً سلام پیش کیا، پھر یہ آیت پڑھی: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ... الخ، پھر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں آپ کی خدمت میں اپنے گناہوں کی معافی طلب کرنے اور اپنے رب کے دربار میں آپ کو سفارشی بنانے کے مقصد سے حاضر ہوا ہوں، پھر اس نے یہ اشعار پڑھے:

يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ فِي التُّرْبِ اَعْظُمُهٗ
فَطَابَ مِنْ طِيْبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْاَكَمُ
نَفْسِيْ الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاكِنُهٗ
فِيْهِ الْعَفَافُ وَفِيْهِ الْجُوْدُ وَالْكَرَمُ

ترجمہ: اے ان لوگوں میں سب سے افضل جن کے اجساد شریفہ آسودۂ خاک ہیں،

جن کی برکت سے دشت وجبل پاکیزگی سے مشرف ہو گئے ہیں، اس روضۂ اقدس پر میری جان قربان ہے جس میں آں جناب تشریف فرما ہیں، یہیں عفت مآبی ہے اور یہیں جودوکرم (کا خزانہ) ہے۔

عتبیؒ کہتے ہیں: یہ عرض کر کے وہ دیہاتی چلا گیا، پھر مجھے نیند آ گئی، تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں: عتبی جاؤ! اس دیہاتی کو یہ خوش خبری سنادو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بخشش فرما دی ہے۔ (خلاصۃ الوفاء ۱/ ۴۴۹)

مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنے کی فضیلت

مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی بہت زیادہ فضیلت ہے، لہٰذا مدینہ منورہ کے قیام کے دوران مسجد نبوی میں نماز باجماعت پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ حدیث میں آتا ہے، نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

صَلوٰۃٌ فِیْ مَسْجِدِیْ ھٰذَا خَیْرٌ مِنْ أَلْفِ صَلوٰۃٍ فِیْمَا سِوَاہُ مِنَ الْمَسَاجِدِ إِلاَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ... فَإِنِّیْ اٰخِرُ الْأَنْبِیَاءِ وَمَسْجِدِیْ اٰخِرُ الْمَسَاجِدِ۔ (صحیح مسلم ۱/ ۴۴۶ رقم: ۱۳۹۴، صحیح بخاری: ۱/ ۱۵۸ رقم: ۱۱۷۷)

میری اس مسجد میں نماز کا ثواب دیگر مسجدوں کے مقابلے میں ایک ہزار نمازوں سے زیادہ ہے، سوائے مسجد حرام کے۔ کیونکہ میں آخری نبی ہوں اور میری مسجد (انبیاء کی تعمیر کردہ مسجدوں میں سے) آخری مسجد ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ: مسجد نبوی میں نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۴۱۳) ایک روایت میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

مَنْ صَلّٰى فِيْ مَسْجِدِيْ أَرْبَعِيْنَ صَلٰوۃ لاَ تَفُوْتُہٗ صَلٰوۃٌ کُتِبَ لَہٗ بَرَائَۃٌ مِنَ النَّارِ وَبَرَائَۃٌ مِنَ الْعَذَابِ وَبَرَائَۃٌ مِنَ النِّفَاقِ۔ (رواہ احمد والطبرانی فی الاوسط ۲۱۱/۶، خلاصۃالوفاء ۴۹۰/۱)

جس شخص نے میری مسجد میں چالیس نمازیں مسلسل اس طرح پڑھیں کہ ان میں سے کوئی نماز نہیں چھوٹی، تو اس کو تین باتوں سے برأت کا پروانہ عطا ہوتا ہے (۱) جہنم سے (۲) عذاب سے (۳) نفاق سے۔

مذکورہ حدیث میں مسجد نبوی میں چالیس نمازیں ادا کرنے کی اتنی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالی اس نمازی کو جہنم، عذاب اور نفاق سے بری فرما دیتے ہیں۔

ریاض الجنۃ اور اس میں عبادت

مسجد نبوی کا سب سے اہم حصہ وہ ہے جو روضۂ اقدس اور منبر نبوی کے درمیان میں ہے، جس کو ''ریاض الجنۃ'' کہا جاتا ہے۔ اس جگہ کو خصوصی اہمیت اور فضیلت حاصل ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَا بَيْنَ بَيْتِيْ وَمِنْبَرِيْ رَوْضَۃٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّۃِ۔ (صحیح بخاری ۱۵۹/۱ رقم: ۱۱۹۵) کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ: میرے منبر کے ستون جنت میں قائم ہیں۔ (خلاصۃالوفاء ۴۹۷/۱)

مسجد نبوی میں منبر رسول اور حجرۂ مبارکہ کے درمیانی حصہ کو جنت کی کیاری کہنے کی وجہ کے سلسلہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں: (۱) بعض علماء نے فرمایا کہ یہ زمین کا ٹکڑا بعینہٖ جنت میں چلا جائے گا۔ (۲) یا یہ مطلب ہے کہ اس حصے میں عبادت کرنے والوں کو آخرت میں جنت کے باغات نصیب ہوں گے، ان شاءاللہ۔ (البحر العمیق ۲۵۲/۱)

ریاض الجنۃ میں سات اہم ستون ہیں، ان کے قریب جا کر کچھ نہ کچھ عبادت کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، ان ستونوں کے اوپر علامتیں بنی ہوئی ہیں۔ وہ ستون یہ ہیں: (۱) **اسطوانۂ حنانه:** یہ ستون محراب کے قریب ہے، یہاں وہ کھجور کا تنا دفن ہے جس پر ٹیک لگا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر بننے سے قبل خطبہ دیا کرتے تھے، پھر جب منبر بن گیا تو یہ ستون آپ کے فراق کی وجہ سے رونے لگا تھا، جو نبی علیہ السلام کے دلاسہ دینے پر خاموش ہوا۔ (۲) **اسطوانۂ ابو لبابه:** یہ وہ ستون ہے جہاں صحابی رسول حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو باندھ لیا تھا، پھر جب ان کی توبہ قبول ہوئی تو انہیں کھولا گیا۔ (۳) **اسطوانۂ وفود:** یہ وہ مقام ہے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم آنے والے وفود سے ملاقات فرماتے تھے۔ (۴) **اسطوانۂ حرس:** یہ ستون حجرۂ عائشہ صدیقہؓ سے بالکل ملا ہوا ہے، یہاں ہجرت کے ابتدائی سالوں میں پہرے داری کا نظم تھا، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت کے وعدے کے بعد ختم کر دیا گیا تھا۔ (۵) **اسطوانۂ جبرئیل:** یہ وہ مقام ہے جہاں عموماً نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام کی ملاقات ہوتی تھی۔ (۶) **اسطوانۂ سریر:** اس جگہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام اعتکاف کی حالت میں قیام فرماتے تھے۔ (۷) **اسطوانۂ عائشه:** ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس جگہ کے مقامِ مقبول ہونے کی نشان دہی فرمائی تھی کہ یہاں دعائیں اور توبہ قبول ہوتی ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام "**اسطوانۂ عائشه**" رکھا گیا ہے۔ (مستفاد: انوار مناسک ۳۶۵-۳۶۷۔ کتاب المسائل: ۳/۴۸۰)

جنت البقیع کی زیارت

جنت البقیع مدینہ منورہ کا مشہور و معروف قبرستان ہے، جس میں دس ہزار سے زیادہ

صحابہ کرامؓ مدفون ہیں۔ بہت سے اہل بیت، ازواجِ مطہرات اور بنات طیبات کی قبریں اس مقدس قبرستان میں موجود ہیں۔ مسجد نبوی کی توسیع کے بعد اب مسجد نبوی اور جنت البقیع کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں رہ گیا ہے۔ مسجد کے مشرقی جانب بیرونی صحن جہاں ختم ہوتا ہے وہیں سے جنت البقیع شروع ہوتا ہے۔ جنت البقیع میں حاضر ہوکر زیارت کرنی چاہیے اور اہل قبور کو سلام پیش کرکے ان کے لیے ایصالِ ثواب وغیرہ کا اہتمام کرنا چاہیے۔ (کتاب المسائل ۴۸۱/۳)

مسجد قبا کی زیارت

مسجد قبا فضیلت کے اعتبار سے اسلام کی چوتھے نمبر کی مسجد ہے، یہ مسجد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرماتے ہوئے مدینہ سے کچھ دوری پر ''قبا'' نامی جگہ میں اولاً تعمیر کرائی تھی، اس مسجد کی جگہ ''کلثوم'' نامی ایک شخص سے خریدی گئی تھی، یہ اسلام میں تعمیر ہونے والی سب سے پہلی مسجد ہے، اس کی بنیاد خود نبی علیہ السلام نے رکھی تھی، پھر صحابہ کرام نے پتھر رکھے تھے۔ اس مسجد میں نماز پڑھنے کی بہت فضیلت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: مسجد قبا میں دو رکعت نماز پڑھنے کا ثواب ایک عمرے کے ثواب کے برابر ہے۔ (جامع ترمذی ۷۴/۱، شعب الایمان ۴۹۹/۳ رقم: ۴۱۹۰، سنن کبریٰ للبیھقی ۲۴۸/۵)

مسجد قبا کا فاصلہ مسجد نبوی سے تقریبا تین چار کلومیٹر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خصوصاً ہفتہ کے دن مسجد قبا تشریف لاکر نفل نماز پڑھتے تھے، یہ تشریف آوری کبھی پیدل اور کبھی سواری پر ہوتی تھی، حضرت عبد اللہ بن عمر کا بھی یہی معمول تھا۔ (صحیح بخاری ۶۱/۲) نیز پیر کے دن بھی حضور کا تشریف لانا ثابت ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم: ۱۴۱۰)

امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ ہفتہ، پیر اور جمعرات کے دن قبا تشریف لے جاتے تھے۔ (طبقات ابن سعد، مؤطا امام مالک رقم: ۳۵۶) لہذا زائرین کو مسجد قبا میں بھی حاضر ہو کر نماز پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

مسجد قبلتین کی زیارت

مسجد قبلتین مدینہ منورہ کے محلہ بنوسلمہ میں بئر رومہ کے قریب واقع ہے، یہ وہ مسجد ہے کہ جس میں سن ۲ ہجری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز مسجد اقصیٰ کی طرف رخ کر کے پڑھ رہے تھے، کیونکہ اس وقت قبلہ مسجد اقصی ہی تھا، پھر دورانِ نماز ہی مسجد حرام کی طرف رخ کرنے کا حکم آ گیا، تو آپ نے مقتدیوں سمیت بیت اللہ شریف کی طرف رخ کر لیا، تو گویا ایک نماز دو قبلوں کی طرف پڑھی گئی؛ اسی لیے اس مسجد کا نام ''مسجد قبلتین'' (دو قبلوں والی مسجد) پڑ گیا، اور آج تک اسی نام سے جانی جاتی ہے۔ اس مسجد میں جا کر نماز اور عبادت کرنا موجب سعادت ہے، لہذا زائرین کو یہاں بھی حاضر ہونا چاہیے۔ (البحر العمیق مع حاشیۃ ۵ ۲۸۱۴-۲۸۱۲)

شہدائے احد کی زیارت

احد مدینہ منورہ کے شمال میں وہ پہاڑ ہے جس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا: احد پہاڑ کو ہم سے محبت ہے اور ہمیں اس سے محبت ہے۔ نیز اس پہاڑ کے دامن میں اسلام کا عظیم معرکہ ''غزوۂ احد'' بھی پیش آیا ہے، جس میں ستر جلیل القدر صحابہؓ شہید ہوئے، جن کی قبریں اسی میدان میں بنائی گئی ہیں۔ ان شہدا میں سب سے عظیم المرتبت شخصیت حضور کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہیں، جن کو خود نبی علیہ السلام

نے ''سید الشھداء'' (شہیدوں کے سردار) کا لقب دیا تھا۔ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کا معمول تھا کہ آپ سال میں کم از کم ایک مرتبہ شہدائے احد کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا معمول تھا کہ ہر جمعہ کو حضرت حمزہؓ کی قبر کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتی تھیں اور اس دوران آپ پر رقت طاری رہتی تھی۔ لہذا زائرین مدینہ کو شہدائے احد کی قبروں پر بھی حاضری کا اہتمام کرنا چاہیے۔ (مناسک ملا علی قاری ۵۲۵)

مدینہ منورہ سے واپسی

جب سرور عالم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک شہر سے واپسی کا ارادہ ہو تو انتہائی حسرت و افسوس اور نبی علیہ السلام سے جدائی پر سخت غمگین ہو، مسجد نبوی میں حاضر ہو کر واپسی کی نیت سے دو رکعت نفل ادا کرے، پھر مواجہہ شریف میں حاضر ہو کر الوداعی درود و سلام پیش کرے، پھر رقت و زاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے خوب دعا مانگے، پھر دربارِ نبوت پر الوداعی حسرت آمیز نظر ڈالتے ہوئے اور جدائی پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اس امید کے ساتھ واپس ہو کہ اللہ تعالی بار بار حاضری کی سعادت بخشتے رہیں۔ (کتاب المسائل ۳/ ۴۸۳)

مدینہ منورہ میں وفات پانے کی فضیلت

مدینہ منورہ وہ جگہ ہے جہاں زندگی گذارنا بھی باعث فضیلت ہے اور وہاں کی موت بھی نہایت سعادت اور نیک بختی کی بات ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی بڑا بشارت آمیز ہے: مَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَمُوْتَ بِالْمَدِيْنَةِ فَلْيَمُتْ بِهَا، فَإِنِّيْ اَشْفَعُ لِمَنْ

یَّمُوْتُ بِهَا۔ (جامع ترمذی ۲/۲۲۹، الترغیب والترهیب ۲۸۲) کہ جو شخص مدینہ منورہ میں وفات پانے پر استطاعت رکھے تو اسے یہاں کی موت حاصل کرنی چاہیے، کیوں کہ میں یہاں وفات پانے والے کی سفارش کروں گا۔

مذکورہ حدیث میں موت کی تمنا کی ترغیب نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں قیام کی شکل نکالنی چاہیے، تاکہ زندگی کی آخری سانس تک اپنے محبوب نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے مبارک شہر میں قیام نصیب ہوجائے، اور جب دنیا سے جائیں تو وہیں دفن ہوں اور آخرت میں نبی علیہ السلام کی شفاعت نصیب ہو۔

کاش! مدینہ اپنا وطن ہوتا		روز و شب وہیں بسر ہوتا
جاتے جب دنیا سے منھ موڑ کر		مدینے کی مٹی اپنا کفن ہوتا

حرمین شریفین کے بعض مقدس مقامات پر مانگی جانے والی چند دعائیں

مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم نے حرمین شریفین کے بعض مخصوص مقامات پر مانگی جانے والی بہت سی جامع دعائیں ذکر فرمائی ہیں، یہ دعائیں ''مناجات فقیر'' میں موجود ہیں۔ کچھ دعائیں کچھ حذف واضافہ کے ساتھ ذیل میں بیان کی جاتی ہیں۔

کعبہ پر پہلی نظر:

اے اللہ! آپ کے عاجز ومسکین بندے آپ کی خدمت میں حاضر ہیں، رب کریم! ہماری حاضری کو قبول فرمالیجیے۔

اے اللہ! آپ کے بندے اور بندیاں آپ کے دربار میں حاضر ہیں، آپ کو منانے کے لیے آئے ہیں، اپنے گناہ بخشوانے کے لیے آئے ہیں، اپنے دل دھلوانے کے لیے آئے ہیں، اے اللہ! مہربانی کردیجیے، رحمت فردیجیے۔

رب کریم! آپ کا گھر سامنے ہے اور سائل بھی موجود ہیں، کمزور قوی کے دروازے پر حاضر ہیں، محتاج غنی کے دروازے پر حاضر ہیں، بندے اپنے پروردگار کے در پر حاضر ہیں، اے ربِ کریم! جھولیاں بھردیجیے، نیک مرادوں کو پورا کردیجیے، اپنے مستجاب الدعوات بندوں میں شامل فرمالیجیے۔

اے اللہ! آپ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے: وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا (سورۃ

آل عمران:۷ ۹) کہ جو اس گھر میں داخل ہوتا ہے امن پاجاتا ہے۔ اے اللہ! اپنے غصے سے امن عطا فرما، نفس وشیطان کے مکروفریب سے امن عطا فرما، زمانے کے فتنوں سے امن عطا فرما، دجالی فتنوں سے امن عطا فرما، قیامت کے دن پریشانی سے امن عطا فرما، جہنم کی آگ سے امن عطا فرما، میرے مولا! مہربانی کا معاملہ فرما۔

اے اللہ! آپ کے نیک بندے یہاں نیکیاں لے کرآتے ہیں، ہم وہ گناہ گار ہیں جو اپنے گناہوں کے انبار اپنے سر پر لائے ہیں، اے مالک! ہم نادم وشرمندہ ہیں، معاف فرمادیجیے۔

اے اللہ! اس جگہ جتنے بھی انبیاء کرام، صحابہ کرام، اولیاء کرام اور تیرے نیک بندے تشریف لائے ہیں اور انہوں نے جو خیر مانگی ہیں وہ ہمیں بھی عطا فرما اور جن شرور سے پناہ مانگی ہے، ہمیں بھی پناہ عطا فرمادیجیے۔

اے اللہ! ہمیں مکہ کی زندگی اور مدینہ کی موت عطا فرمادیجیے۔

اے اللہ! بیت اللہ سامنے ہے اور سائل دامن پھیلائے بیٹھے ہیں، میرے مولا! دامن کو بھر دیجیے اور مغفرت کر دیجیے۔

اے اللہ! آپ کے پیارے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیت اللہ کو بتوں اور کفر وشرک سے پاک کر دیا تھا، اے اللہ! ہمارے دل بھی پاک کر دیجیے، ہمارے دلوں کو غیر سے خالی کر دیجیے، پاکیزہ زندگی عطا فرمادیجیے۔

مقامِ ابراہیم:

ربِ کریم! آپ نے ابراہیم علیہ السلام کے دل میں اپنی محبت عطا فرمائی، اپنی رحمت سے ہمارے دلوں میں بھی اپنی محبت عطا فرما۔

اے اللہ! جیسے ابراہیم علیہ السلام نے سب بتوں کوتوڑ دیا تھا، پتھر کے ہوں یا تخیل کے، ہمیں بھی سب بتوں کوتوڑنے کی توفیق عطا فرما۔

ربِ کریم! جیسے آپ نے ابراہیم علیہ السلام کو مقامِ توحید عطا فرمایا، اسی مقام توحید کی تجلیات ہمارے سینوں میں بھی عطا فرما۔

اے اللہ! جیسے آپ نے ابراہیم علیہ السلام کے حق میں دنیا کی آگ کوٹھنڈا فرما دیا تھا، ہمارے حق میں بھی جہنم کی آگ کوٹھنڈا فرما دیجیے۔

اے اللہ! جیسے آپ نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں بہت سے انبیاء اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا ہے، ہماری آنے والی نسلوں میں بھی وقت کا کوئی محدث، کوئی فقیہ، کوئی مجدد، کوئی قطب، کوئی ولی اور اپنا کوئی عاشق پیدا فرما۔

اے اللہ! آپ نے ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کے سینے میں نبوت کا نور عطا فرمایا، ہمارے اور ہماری اولادوں کے سینوں میں ولایت کا نور عطا فرما دیجیے۔

اے اللہ! جیسے آپ نے ابراہیم علیہ السلام کو اسماعیل علیہ السلام جیسا فرماں بردار بیٹا عطا فرمایا، ہماری اولادوں کو بھی اسماعیلی نسبت عطا فرما دیجیے۔

اے اللہ! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے کہ مقامِ ابراہیم دعا کی قبولیت کا مقام ہے، میرے مولا! ہماری جھوٹی زبانوں کو نہ دیکھیے، ہمارے میلے دلوں کو نہ دیکھیے، اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی بات کوسچا کر دکھائیے اور جو دعائیں ہم نے مانگی ہیں قبول فرما لیجیے۔

اے اللہ! آپ نے ابراہیم علیہ السلام کے گھرانے کو جو مزاج عطا فرمایا تھا، ہمارے گھرانے کو بھی وہی مزاج ابراہیمی عطا فرما دیجیے۔

اے الہ العالمین! ابراہیم علیہ السلام کے وسیلہ سے ہماری دعاؤں کو قبول فرما لیجیے۔

آب زمزم:

اے اللہ! ہم نے جو آب زمزم پیا، اس کو جسمانی اور روحانی بیماریوں کی شفا بنا۔

رب کریم! جس طرح آپ نے دنیا میں زمزم پلا کر سینے میں ٹھنڈک ڈال دی ہے، اپنی محبت کی ٹھنڈک بھی ہمارے دلوں میں پیدا فرما دیجیے، اپنی محبت کا جام پلا دیجیے۔

اے اللہ! جس طرح آپ نے دنیا میں زمزم عطا فرمایا، اسی طرح قیامت کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں حوضِ کوثر کا جام نصیب فرمائیے گا۔

اے اللہ! جس طرح آپ نے دنیا میں زمزم پلایا، جنت میں کچھ لوگ ہوں گے جن کو آپ شراب طہور پلائیں گے، قرآن میں ہے: وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا۔ اے اللہ! ہمیں بھی ان لوگوں میں شامل فرمالیجیے۔

اے اللہ! جیسے آپ نے زمزم پلا کر پیاس کو ختم فرمادیا، موت کے وقت کی پیاس اور قیامت کے دن کی پیاس کو بھی ختم فرمادیجیے گا۔

اے اللہ! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے کہ زمزم کا مقام دعا کی قبولیت کا مقام ہے، اے اللہ! ہماری تمام دعاؤں کو قبول فرمالیجیے۔

مقامِ صفا:

اے اللہ! آپ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے: اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ (سورۃ البقرۃ:۱۵۸) کہ صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ یہ مقام صفا آپ کے شعائر میں سے ہے، ہمیں شعائر کا ادب کرنے کی توفیق عطا فرمادیجیے، ہمارے دلوں میں شعائر کی محبت پیدا فرمادیجیے۔

اے اللہ! یہ مقام صفا ہے، یہاں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے کام کا آغاز کیا تھا اور فرمایا تھا: یَا اَیُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لاَاِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ تُفْلِحُوْا۔ اے اللہ! ہم آپ کے سامنے ''لاَاِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ'' پڑھ کر گواہی دیتے ہیں کہ ہم آپ کی وحدانیت کو مانتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرتے ہیں۔

رب کریم! یہ مقامِ صفا ہے، اپنی رحمت سے ہمارے دلوں کو صاف فرما دیجیے، ہمارے معاملات کو صاف فرما دیجیے، ہمارے نفس کو صاف فرما دیجیے، ہمارے اعمال کو صاف فرما دیجئے، ہماری نیتوں کو پاک وصاف فرما دیجیے۔

اے اللہ! یہ مقامِ صفا دعا کی قبولیت کا مقام ہے، ہماری مانگی ہوئی سب دعاؤں کو قبول فرمالیجیے۔

میلین اخضرین:

اے اللہ! جب ہم سبز لائٹوں کے درمیان بھاگتے ہیں، ظاہر میں تو یہاں بھاگ رہے ہوتے ہیں، مگر حقیقت میں آپ کی طرف بھاگ رہے ہوتے ہیں، میرے مولا! فَفِرُّوْا اِلَى اللّٰهِ (سورۃ الذاریات ۵۰) پر عمل کی توفیق عطا فرما دیجیے۔

اے میرے مولا! ہمارا ظاہری طور پر بھاگنا سیر الی اللہ کا ذریعہ بنا دیجیے۔

مقامِ مروہ:

اے اللہ! یہ مقام مروہ ہے، اور آپ نے ارشاد فرمایا ہے: اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ (سورۃ البقرہ:۱۵۸) کہ صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ اے اللہ! ہمیں شعائر کا ادب کرنے کی توفیق عطا فرما دیجیے، ہمارے دلوں میں شعائر کی محبت پیدا

فرما دیجیے۔

اے اللہ! یہ مقامِ مروہ دعا کی قبولیت کا مقام ہے، اے میرے مولا! ہماری سب دعائیں قبول فرما لیجیے۔

جمرات:

اے اللہ! اس جگہ پر شیطان نے ابراہیم علیہ السلام کو بہکانے کی کوشش کی تھی، مگر وہ اس کے بہکاوے میں نہیں آئے تھے، ہمیں بھی شیطان کے بہکاوے سے بچا لیجیے، ہماری قیامت تک آنے والی نسلوں کو بھی شیطان کے ہتھکنڈوں سے بچا لیجیے۔

اے اللہ! ہم نے شیطان کو کنکریاں ماریں، ہمارے اس عمل کو قبول فرما لیجیے۔

اے اللہ! آپ کے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے کہ شیطان کو کنکری مارتے وقت دعائیں قبول ہوتیں ہیں۔ اے مولا! اس حج میں ہم نے جو بھی دعائیں مانگی ہیں ان سب کو قبول فرما لیجیے۔

طواف زیارت:

اے اللہ! اس طوافِ زیارت کو اپنے قرب کا ذریعہ بنا دیجیے۔

رب کریم! ہم تیرے گھر کا طواف کر رہے ہیں، ہمارے اس طواف کو جنت میں اپنی زیارت کا سبب بنا، اور ہمارے دلوں میں اپنی محبت پیدا فرما۔

اے رب العالمین! ہمارے اس طواف کو قبول فرما لیجیے۔

مکہ مکرمہ سے جدائی کے وقت:

اے اللہ! ہمارے اس حج کو حج مبرور بنا دیجیے، حج مقبول بنا دیجیے۔

اے اللہ! اس سفر میں جو کوتاہیاں، غفلتیں اور جو بے ادبیاں ہوئیں ہیں، سب معاف فرما دیجیے۔ اعمال میں جو کمی اور عبادات میں جو سستی ہوئی ہو معاف فرما دیجیے، اور ہمیں کامل حج کا اجر عطا فرما۔

اے اللہ! آپ نے ہم پر احسان فرمایا اور ہمیں اپنے گھر حاضری کی توفیق عطا فرمائی، ہمیں ہر سال یہ سعادت نصیب فرما اور زندگی کے جو ایام باقی ہیں ان میں بار بار اپنے گھر کی قبولیت والی حاضری نصیب فرما۔

اے رب کریم! حج کے پورے سفر میں جو بھی دعائیں مانگیں ہیں سب قبول فرما لیجیے اور جو خیر کی دعائیں نہیں مانگ سکے ہیں وہ بھی ہمارے حق میں قبول فرما لیجیے۔

اے رب العالمین! آپ کے لاکھوں بندے اور بندیاں اس جگہ پر آپ کا قرب حاصل کرنے کے لیے آئے ہیں، ان میں سے جس کی زندگی بھی آپ کو پیاری لگی ہو اس کی برکت سے ہمارے اس سفر کو قبول فرما لیجیے۔

مدینہ منورہ میں حاضری کے وقت:

اے اللہ! ہم پیارے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہیں، ہماری حاضری قبول فرما لیجیے۔

اے رب ذوالجلال! ہم صرف آپ کی رحمت سے یہاں حاضر ہوئے اور ریاض الجنۃ میں بھی داخل ہوئے، جس کو آپ کے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی کیاری فرمایا ہے۔ اے اللہ! جب ایک مرتبہ آپ نے جنت میں داخل کر دیا، اب جہنم میں جانے والوں میں سے ہمارا نام نکال دیجیے، جہنم کی آگ ہم پر حرام فرما دیجیے۔

اے اللہ! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مَنْ زَارَ قَبرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ۔

(سنن ابن ماجه، رقم: ۳۱۱۲) کہ جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ اے اللہ! قیامت کے دن اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائیے گا۔

اے اللہ! ہمیں جنت البقیع میں دفن ہونے کی سعادت نصیب فرمادیجیے۔

اے رب العالمین! ہمارے بڑوں نے لکھا ہے کہ پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے سے انوارات نکلتے ہیں اور سورج کی کرنوں کی طرح زائرین کے دلوں پر پڑتے ہیں۔ (بقول شاہ ولی اللہ) اے اللہ! ہم اپنے میلے اور سخت دل لے کر آئے ہیں، اس نور کی شعاؤں سے ہمارے دلوں کو بھی منور فرمادیجیے۔

مدینہ منورہ سے جدائی کے وقت:

اے رب ذوالجلال! ہمارے مدینہ طیبہ کے قیام کو قبول فرمالیجیے۔

اے اللہ! آپ نے ہم پر احسان فرمایا اور ہمیں اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے در کی حاضری کی توفیق عطا فرمائی، زندگی کے جو بھی دن باقی ہیں ان میں بار بار حاضری کی نیت لے کر ہم واپس جا رہے ہیں۔ اے اللہ! بار بار اپنے محبوب کے در کی حاضری کی توفیق عطا فرما۔

اے اللہ! اس سفر میں جو کوتاہیاں، غفلتیں اور جو بے ادبیاں ہوئیں ہیں سب معاف فرما؛ اعمال میں جو کمی اور عبادات میں جو سستی ہوئی ہو معاف فرما، اور ہمیں کامل اجر وثواب عطا فرما۔

اے میرے مولا! مدینہ منورہ کی برکتوں سے خوب مالا مال فرما، اور اس جگہ سے جھولیاں بھر کر واپس جانے کی توفیق عطا فرما۔

اے رب ذوالجلال! جس طرح پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو نمائندہ اور معلم بنا کر دنیا کے مختلف حصوں میں بھیجا کرتے تھے، ہم گناہ گار خطا کار بھی یہاں حاضر ہیں، دین کی خدمت کے لیے یہاں سے ہماری بھی تشکیل فرما دیجیے اور جہاں آپ مناسب سمجھیں ہم عاجز مسکینوں کو بھی دین کی خدمت کے لیے قبول فرما لیجیے۔ (مناجات فقیر ۱۷۴۔ ۲۱۲)

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْم وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ